بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکائی کے اجزاء

5.1 مقصد

اس اکائی کو پڑھ کر ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ عہد عباسی میں عربی شاعری کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔اس عہد کی شاعری میں کیا نمایاں تبدیلیاں ہوئی تھیں۔کن کن اصناف سخن پر شعراء داد تحسین وصول کر رہے تھے اور عہد عباسی کی شاعری کے نمایاں امتیازات اور خصائص کیا تھیں۔اس عہد کے شعراء میں سے کن شعراء کو زیادہ مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی تھی اور ان کی وجہ شہرت کے اسباب کیا تھے۔ان شعراء کی حیات و خدمات سے واقف ہوسکیں گے۔ساتھ ہی ساتھ اس عہد کے دیگر شعراء کا بھی سرسری طور تعارف کرایا جائے گا۔

5.2 تمہید

عصر عباسی، تاریخ ادب عربی کا زرین دور ہے۔اس عہد میں عربی شاعری میں نمایاں ترین تبدیلیاں ہوئیں۔شاعری صحرا و بیابان سے نکل باغات اور محلات کے اردگرد گھومنے لگی۔نت نئے موضوعات پر شعراء نے طبع آزمائی کرنی شروع کردی تھی۔فلسفیانہ افکار و آراء کے نمایاں اثرات شاعری پر مرتب ہوئے تھے بلکہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم شاعری کے بجائے کوئی فلسفہ کی کتاب پڑھ رہے ہیں۔

5.3 عصر عباسی کی شاعری

عصر اموی میں شاعری اپنے قدیم اسلوب گا مزن رہی تاہم اس کے موضوعات میں تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے جیسے غزل نے بحیثیت صنف اسی عہد میں اپنے بال و پر نکالے، سیاسی شاعری کے خدوخال نمایاں ہونے لگے تھے لیکن اسلوب میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی بلکہ اس عہد کے بڑے بڑے شعراء قدیم اسلوب کی پیروی کو ہی اعلی شاعری کا پیمانہ سمجھتے تھے۔قدیم جاہلی شاعری کی اتباع اور پیروی ہی معیار و مرتبہ کی کسوٹی قرار دی جاتی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اولین ناقدین نے عصر عباسی کی ابتدائی شاعری کو اعتناء کے قابل نہیں سمجھا تھا۔

عصر عباسی میں پروان چڑھنے والی تہذیب و تمدن، سیاست و معیشت اور معاشرتی انقلاب کے جتنے اثرات شاعری پر مرتب ہوئے، اتنے نثر پر مرتب نہیں ہوئے تھے۔ غالبا اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ عربی شاعری کی ایک روایت موجود تھی اور اس کا ایک معتد بہ حصہ اور سرمایہ موجود تھا۔شاعری کے مقابلہ میں نثری سرمایہ بہرحال کم تھا اور اس کی کوئی مضبوط روایت بھی نہیں پائی جاتی تھی کہ عہد عباسی میں پروان چڑھنے والی نثر کا موازنہ و مقابلہ ماقبل کی نثر سے کیا جاتا۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عربی نثر کا بنیادی ارتقاء عہد عباسی میں ہی ہوا تھا۔

عہد عباسی کی شاعری کے فروغ اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کی دوسری وجہ یہ تھی کہ انشا پردازوں کے مقابلہ میں شعراء کو خلفاء، حکماء اور امراء کی خلوتوں میں رہنے کا زیادہ موقع ملا تھا کہ وہ اپنی مبالغہ آمیز مدحیہ شاعری سے ان کے دربار کا اہم حصہ بن جاتے تھے۔عباسی شعراء نے شاعری کے میدان میں مکمل یکسوئی کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے اس کے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور مختلف قسم کے شہ پاروں سے عربی شاعری کے دامن کو مالا مال کردیا۔انھیں اپنی صلاحتیوں کے اظہار و بیان کا جتنا موقع اس عہد میں ملا وہ کسی اور دور میں میسر نہیں آسکا تھا لہذا وہ مکمل آزادی کے ساتھ اپنے فکر و فن کو شاعری کے قالب میں ڈھالنے لگے۔

عصر اموی کے اواخر اور عہد عباسی کے ابتدائی دور میں جب تحریک موالی کا آغاز ہوا اور انھوں نے قدیم طرز سے ہٹ کر ایک نئے انداز میں شاعری کا آغاز کیا تو اس عہد کے علماء اور ناقدین ادب نے ان کے طرز کو ناپسندیدہ قرار دیا جس کی وجہ سے وہ قدیم جاہلی اسلوب کی پیروی کرنے پر مجبور ہوگئے لیکن انھوں نے غیر محسوس انداز میں اسلوب میں تبدیلی کا آغاز کردیا تھا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے عربی شاعری کی ماہیت اور موضوعات کو تبدیل کردیا تھا۔

عہد عباسی کے ابتدائی دور کے شعراء میں کچھ شعراء ایسے بھی ہیں جنھوں عہد اموی کا آخری زمانہ پایا تھا اور اپنی شاعری کا آغاز کیا تھا۔ایسے شعراء کو اصطلاحی طور پر ''مخضرمین شعراء'' کہا جاتا ہے۔عہد عباسی کے مخضرمین شعراء کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

☆ پہلا زمرہ ان شعراء پر مشتمل ہے جنھوں نے قدیم اسلوب کو ہی مکمل طور پر اختیار کرلیا تھا اور روایتی انداز میں اپنی شاعری کے جلوے بکھیرتے رہے تھے۔انھوں نئے انداز بیان اور اسلوب شاعری کو قابل اعتناء نہیں سمجھا تھا جیسے مروان بن ابی حفصہ (105-182ھ/723-798ء)۔مروان بن حفصہ نے خاص طور سے اموی اسلوب شاعری کو اپنایا۔اسے شاعری کے میدان میں جریر و فرزدق کے مکتب شاعری کا نمائندہ شاعر قرار دیا جاتا ہے۔زہیر بن ابی سلمی کی طرح وہ اپنے قصائد کی سال بھر نوک و پلک درست کرتا رہتا تھا اور مکمل طور پر اس مطمئن ہونے کے بعد ہی لوگوں کے سامنے پیش کرتا تھا۔

☆ دوسرا زمرہ ان شعراء پر مشتمل قرار دیا جاسکتا ہے جنھوں نے جدید انداز فکر (الطابع الجدید) میں اپنی شاعری میں پیش کیا جیسے ابن ہرمہ (80-176ھ) اور حسین

بن مطیر (م 170ھ/ 786ء) وغیرہ۔ اول الذکر کے بارے میں مشہور ناقد اصمعی کا قول ہے کہ اس کی وفات کے ساتھ ہی اصل عربی شاعری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ آخری شاعر جس کے اشعار سے لغوی استشہاد کیا جاسکتا ہے۔

☆ تیسرا زمرہ ان شعراء پر مشتمل ہے جنھوں قدیم کی حفاظت کرتے ہوئے جدید اسلوب کو اختیار کیا اور قدیم وجدید اسلوب کو یکجا کرتے ہوئے اظہار سخن کرنے کا آغاز کیا جیسے بشار بن برد اور ابونواس وغیرہ اور شاعری کے دونوں انداز واسلوب میں اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور انداز میں اظہار کیا تھا۔

عہد عباسی کے ان مخضر مین شعراء کے خاتمہ کے بعد خالص جدید طرز واسلوب شعراء کی جماعت منظر عام پر آتی ہے۔ جنھوں نے عربی شاعری کے نئے آفاق سے دنیا کو روشناس کرایا۔

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر اموی کے اواخر اور عہد عباسی کے ابتدائی دور میں شاعری میں ہونے والی ہر نئی تبدیلی کی شدید مخالفت کی جاتی تھی اور ان کے اشعار کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے علماء لغت ونقد، شعری اسلوب کی تبدیلی کو تقلیدی شاعری کے نہ صرف خلاف سمجھتے تھے بلکہ اسے ''شعر'' کے خلاف ایک اعلان جنگ سمجھتے تھے اور جدید اسلوب میں کی جانے والی شاعری کو بالکل ہی نکار دیتے تھے چاہے اس کا فنی مقام ومرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو۔ غالباً اسی انداز فکر سے متاثر ہو کر ابن سلام جمحی نے اپنی کتاب طبقات الشعراء میں ایسے شعراء کو کسی بھی طبقہ میں جگہ نہیں دی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر ناقدین ادب نے بھی اس عہد کی شاعری کو ''مخنث شاعری'' قرادیا ہے جس میں تقلیدی شاعری کی خوبصورتی اور جزالت نہیں پائی جاتی ہے۔

اس عام مخالفت کے باوجود جدید اسلوب کے قائل شعراء نے اپنی کوششوں اور کاوشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف مخالفت کی حدت وآنچ کم ہوتی چلی گئی بلکہ دوسری صدی ہجری کے خاتمہ کے قریب عربی شاعری کے قالب وڈھانچہ میں جدید تبدیلیوں کے قائل شعراء نے اس مسئلہ کو اس شدومد سے اٹھایا کہ اس تحریک میں مزید شدت آگئی حتی کہ وہ شعراء ان کے طنز مذاق اور تمسخر کا نشانہ بن گئے جو اس بدلتے ہوئے عہد میں بھی پرانے طرز واسلوب میں شاعری کر رہے تھے۔ جدیدیت کے قائل شعراء کی مسلسل کاوشیں رنگ لائیں حتی کہ علماء لغت ونقد بھی ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے۔

جدید طرز اسلوب کے قائل شعراء میں کچھ نے - جیسے بشار اور ابونواس - اعتدال کا دامن تھامے رکھا۔ وہ قدیم اسلوب کی افادیت کے ساتھ ساتھ جدید طرز نگارش کو بھی ضروری سمجھتے تھے جب کچھ نے غلو کی راہ اختیار کرتے ہوئے قدیم اسلوب کو بالکل ہی ترک کرنے اور صرف جدید اسلوب اختیار کرنے پر زور دیا۔

عصر عباسی کی شاعری میں ہونے والی یہ تبدیلی صرف قصیدہ کی شکل اور مطلع کی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اس طرز اسلوب کے متبعین شعراء بحور وقوافی میں بھی تبدیلی کرتے ہوئے اس کی موسیقیت میں اضافہ کر دیا۔ انھوں نے جدید تہذیب وثقافت سے استفادہ کرتے ہوئے نت نئے تجربات کیے جنھیں اتفاق سے دوام نہ حاصل ہوسکا۔ انھوں مقطعات، مخمسات اور مسمطات جیسے اسلوب سے عربی شاعری کو روشناس کیا۔ مزید یہ کہ انھوں معانی میں جدت پیدا کی، الفاظ اور تراکیب میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں جس نے آگے چل کر علم بدیع کی بنیاد رکھ دی۔

اس عہد کی شاعری میں ایک نمایاں تبدیلی یہ آئی تھی کہ اس نے غناء اور موسیقیت پر بالکل اسی طرح اپنے اثرات مرتب کیے تھے جس طرح غناء کے اثرات شاعری پر مرتب ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض شعراء نے صرف ایسے قصیدے لکھے جنھیں گایا جاسکے۔ یہ شعراء کبھی لمبے لمبے قصائد لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں تو کبھی صرف تین تا پانچ اشعار پر مشتمل قصیدہ لکھے ہیں تاکہ ان کی دھن بنانے اور گانے میں آسانی ہوسکے۔ جب کہ بعض شعراء نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے غناء اور شعر کو یکجا کر دیا تھا جیسے اسحاق بن ابراہیم موصلی اور ابراہیم بن مہدی وغیرہ۔

عصر عباسی میں شعراء کے دو بڑے گروپ نظر آتے ہیں۔ پہلا گروپ ان شعراء پر مشتمل ہے جنھوں نے مختلف موضوعات پر اظہار سخن کیا ہے، اس گروپ کے شعراء کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ دوسرا گروپ ان شعراء کا ہے جنھوں صرف مخصوص موضوعات پر شاعری کے نمونے چھوڑے ہیں اور ان کی شاعری صرف کسی ایک موضوع یا رنگ کے اردگرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے جیسے عباس بن احنف اور ابن داود نے صرف عشقیہ شاعری کے نمونے چھوڑے ہیں اور ابوالعتاہیہ نے صرف زہد اور حکمت کو اپنی شاعری کا محور بنایا ہے۔

عہد عباسی کی شاعری اپنے مقاصد، موضوعات، مضامین، خیالات، لفظیات اور اسلوب کے حوالہ سے ماقبل کی عربی شاعری سے جداگانہ نظر آتی ہے۔ اس عہد کی شاعری کے اہم مقاصد میں عصبیت، نسبی مفاخرت کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کی سیاسی، دینی اور مذہبی نقطۂ نظر کو فروغ دینا اور کسب معاش کا اہم ذریعہ بنانا وغیرہ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس عہد کی شاعری کے موضوعات میں بھی نمایاں تبدیلیاں ہوئیں تھیں جن کا تفصیلی ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

اس عہد کی شاعری کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس کے مضامین اور خیالات کی تبدیلیوں کا اندازہ ہوتا ہے جیسے اس عہد کی شاعری میں خیالات اور افکار کافی حد تک ایک

دوسرے سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔تشبیہ،استعارہ اورحسن تعلیل کا استعمال کرتے ہوئے خیالات اورتصورات میں جدت پیدا کرتے ہوئے اظہار بیان کے لیے تخیل (Imagination) سے کام لیا جانے لگا۔مختلف اقوام کے ملاپ اوراس کے نتیجہ میں پروان چڑھنے والی تہذیب وتمدن کی وجہ سے شاعری میں نت نئے معانی پیدا کیے گئے اور اس میں فلسفیانہ افکار کو بیان کیا جانے لگا۔

لفظیات اوراسلوب کے حوالہ سے اس عہد کی شاعری میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں تھیں جیسے نامانوس اور بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال کم کیا جانے لگا،بدوی زندگی سے متعلق الفاظ کو بتدریج کم کیا گیا،عجمی الفاظ کا استعمال کیا جانے لگا۔شاعری کے اسلوب بیان میں نفاست اور باریکی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عربی کے خالص محاورے اور وضاحت کلام کا خیال رکھتے ہوئے صنعت 'بدائع' اوراس کی مختلف انواع کو کثرت سے برتا گیا تھا۔چھوٹی چھوٹی بحروں کو بکثرت استعمال کیا گیا۔دیگر نئے اوزان وبحور جیسے مستطیل وممتد کا اضافہ ہوا۔شاعری کی اقسام میں جہاں ایک طرف موشح،زجل،دوبیت،موالیا کا اضافہ ہوا تو دوسری طرف قوافی میں مسمط اور مزدوج کو فروغ ہوا۔

قصائد کا کھنڈرات کی بجائے محلات وباغات اور شراب وغیرہ کے سے کرنا،مدح اور ہجو میں مبالغہ آمیزی،تشبیہ واستعارہ کا بکثرت استعمال،قصیدہ کے مختلف اجزاء میں تناسب وموزونیت کا پایا جانا اور بندش میں ترتیب کی رعایت کا خیال رکھنا وغیرہ کو اس عہد کے اسلوب شاعری میں ہونے والی تبدیلیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

عصر عباسی میں ہونے والی ان جدید تبدیلوں کے باوجود بہت سے شعراء قدیم اسلوب میں ہی اپنی شاعری کے جلوے بکھیر رہے تھے۔وہ شعراء چونکہ ان ہونے والی تبدیلیوں کو روک نہیں سکتے تھے تو انہوں قدیم اسلوب کی حفاظت کا بیڑا اٹھالیا وہ اپنے جیسے شعراء کو اس بات پر آمادہ کرتے تھے کہ وہ قدیم اسلوب کی پیروی کرتے رہیں۔شاید اسی سے متاثر ہوکر ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب میں قدیم اسلوب کی حفاظت پر زور دیا تھا۔

عصر عباسی میں شاعری کو فروغ دینے میں جہاں خالص عرب افراد نے اپنا اپنا کردار بخوبی انجام دیا تھا وہیں اس کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے میں اہل عجم نے بھی نمایاں کردار ادا کیا تھا بلکہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عہد عباسی کی شاعری اہل عجم کی ہی مرہون منت ہے کہ اس عہد کے نمایاں ترین شعراء کا تعلق دیار عجم سے تھا کہ انھوں نے عربی شاعری کے طرز واسلوب،مضامین وموضوعات،معانی وخیالات اوراوزان وبحور وغیرہ میں نمایاں تبدیلیاں کرتے ہوئے عربی شاعری کو ایک نئے رنگ وآہنگ سے روشناس کرایا تھا اوراپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے شاعری کے عمدہ ترین شہ پاروں سے عربی شاعری کے دامن کو بھر دیا تھا۔

عہد عباسی کے شعراء کا اصطلاحی لقب

عہد عباسی کے شعراء کو ''الشعراء المولدون ''اور''الشعراء المحدثون '' کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔اول الذکر اصطلاح ولقب سے مراد وہ شعراء لیے جاتے ہیں جن کی ولادت،مخضرم شعراء(الشعراء المخضرمون) کے بعد ہوئی تھی یعنی وہ شعراء جنھوں نے اموی خلافت کا آخری اور عباسی خلافت کا ابتدائی زمانہ پایا تھا۔ شعرائے مولدین کا لقب عام طور سے دوسری صدی ہجری کے شعراء کے استعمال کیا جاتا ہے۔

ثانی الذکر اصطلاح ولقب کا اطلاق عام طور پر ان شعراء پر کیا جاتا ہے جن کی ولادت تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد ہوئی تھی اور انھوں نے طبقہ مولدین کے بعد شاعری کے رنگ وآہنگ میں نمایاں تبدیلیاں کی تھیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بعض ناقدین ادب دونوں مصطلحات میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے ہیں جیسے ابن المعتز نے اپنی زمانہ تک یعنی تیسری صدی کے جملہ عباسی شعراء کو''شعراء محدثین'' قرار دیا ہے۔اسی طرح دیگر ناقدین ادب نے تمام عباسی شعراء کو''شعراء مولدین''میں شمار کرتے ہیں۔

اسی طرح عام طور''الشعراء المبدعون'' کے لیے ''الشعراء المولدون ''اور''الشعراء المحدثون '' کی مصطلحات کو یکجا واکٹھا کر کے استعمال کیا جاتا ہے کہ انھوں شاعری کے اسلوب اوراس کی مختلف اصناف میں نت نئے رنگوں کا اضافہ کیا تھا۔اس طبقہ کا سرخیل بشار بن برد کو قرار دیا جاتا ہے کہ اسے''الشعراء المولدون '' اور''الشعراء المحدثون ''دونوں طبقات میں شمار کیا جاتا ہے۔

مشہور مقولہ ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔یہ مقولہ عربی شاعری پر بھی صادق آتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ''طريقة العرب'' کی اصطلاح رائج ہوئی تھی جسے''طريقة المحدثين أو أصحاب البديع'' کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا تھا کہ کچھ شعراء نے اپنی شاعری میں متقدمین شعراء کے اسلوب وطرز بیان کی پیروی کی تھی اوران کی شاعری پر جدید زمانہ کے حالات وماحول کے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے۔''طريقة العرب'' کا نمائندہ شاعر بحتری کو قرار دیا جاتا ہے۔

عہد عباسی میں شاعری کے مراکز

عہد عباسی کی شاعری کے حوالہ سے اس بات کی نشاندہی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں شاعری کے مختلف مراکز تھے ابتدائی سو سال میں صرف بغداد ہی

شاعروں کی آماجگاہ تھااور وہیں کی فضاؤں میں مسحور کن شاعری کے نغمے گونج رہے تھےلیکن جوں جوں مرکزی خلافت میں کمزوری آتی گئی توں توں عربی شاعری کومختلف پناہ گاہیں ملتی گئیں اوراس کے مختلف مراکز سامنے آتے چلے گئے اور وہ بغداد سے نکل کر ایران،شام،مصراورمغرب میں اپنے جلوے بکھیرنے لگی۔مرکزی خلافت کےعہد انتشار میں عربی شاعری کو بنو بویہ اورآل حمدان جیسے قدرداں میسرآ گئے تھے جنھوں نے شعراء کو دل کھول کر انعامات واکرامات سے نوازا جس کی وجہ سے عربی شاعری دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی چلی گئی۔عہد انتشار میں امراء،رؤساء اور حکماء،عباسی خلفاء کی نیابت کرتے ہوئے نظرآتے ہیں کہ ان کا دربار اور نجی مجلسیں شعراء کی آماجگاہ بن گئیں تھیں جہاں ان پر دادودہش کی بارش کی جاتی تھی اور گرانقدر انعامات واکرامات سے نوازا جاتا تھا۔ثعالبی نے اپنی کتاب یتیمة الدهر میں شعراء کی ایک طویل فہرست دی ہے،جس پر سرسری نظر ڈالنے سے ہی اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سیاسی انتشار نے عربی شاعری کے فروغ میں کس قدر اہم کردار ادا کیا تھا۔

عربی شاعر کے ارتقائی مراحل کوایک مؤرخ تاریخ ادب عربی نے بہت اچھے انداز واسلوب میں بیان کیا ہے،جس سے اس کے ارتقاء کے تمام مراحل بیک وقت نظروں میں گھوم جاتے ہیں اور ہر ہر مرحلہ اپنی تمامتر خوبیوں کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔وہ فرماتے ہیں:''اگر آپ شاعری اوراس کی تاریخ پر ایک زندہ قوم کی حیثیت سے نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے اپنے موضوعات ومضامین میں امت عربیہ کی طرح رفتہ رفتہ ترقی کی،اسی کے ساتھ انسانی زندگی کے مراحل طے کیے۔زمانۂ جاہلیت میں وہ بچپن کے گیت گاتی،جوانی کے ولولے،خودغرضی کے جذبات کی ترجمانی کرتی،زمانۂ اسلام میں جہاد کے ترانے،تعصّبات کے ہنگامے اور زندگی کی ہوسناکیاں اس کا موضوع بن گیا،پھر یہ جوان ہوئی اور حکومت عباسیہ کے آغاز میں اس کا شباب مکمل ہوا جو بشار،ابونواس اوران جیسے شعراء کی شاعری میں شباب کی سرمستیوں،بےخودی ومستی کے ترانے اور تنعم وآسودگی کے مظاہر بن کر نمودار ہوئی۔پھر اس کی داڑھ نکلی اور عہد عباسیہ کے وسط میں وہ ادھیڑ اور پختہ کار ہوئی چنانچہ ابن الرومی،ابوتمام اور متنبّی ومعری جیسے شعراء کے کلام میں وہ تجربہ کاری کے اسباق،حکیمانہ نتائج اور فلسفیانہ خیالات ظاہر کرنے لگی۔پھر عہد عباسیہ کے آخر میں اس پر بڑھاپا آیا جو متاخرین کی شاعری میں مصنوعی آرائش،بڑھاپے کے سٹھیاپے اور بالآخر دم نزع کی حالت میں ظاہر ہوا۔رہا اس کی پیدائش اور ابتدائی زندگی کا حال سو تاریخ اس ناواقف وبےخبر ہے''(ص ۳۳۵)۔

5.4 عصر عباسی کی شاعری کے موضوعات

عصر عباسی میں شاعری اپنے نئے پیراہن میں نظر آتی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ قدیم وجدید کا ایک ایسا خوبصورت وحسین سنگم پیش کرتی ہے جس کا نمونہ کسی اور دور میں نہیں ملتا ہے۔قدیم موضوعات کے ساتھ ساتھ جدید موضوعات پر بھی اظہار سخن کا آغاز ہو چکا تھا۔اس عہد کے قدیم موضوعات میں مدح،رثاء،ہجو،وصف نگاری،فخر ومباہات،عتاب کے موضوعات پر زیادہ شعری سرمایہ ملتا ہے۔حالات کے تقاضے اور ماحول کی تبدیلی کے نتیجے میں ان قدیم اصناف سخن میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلیاں پیدا ہوئیں تھیں۔

شاعر اپنے زمانے کے تقاضوں اور ماحول اور حالات سے بے نیاز نہیں ہوسکتا ہے۔کسی بھی ماحول میں ہونے والی نت نئی تبدیلیاں شعراء پر اثر انداز ہوتی ہیں اور وہ ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ متاثر ہو کر ان کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔اس اصول وضابطہ سے عباسی عہد کے شعراء بھی بے نیاز نہیں رہے اور انھوں نے حالات سے متاثر ہو کر کچھ نئے موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا جیسے زہد وتصوف اور غزل غلمان وغیرہ۔ان نئے موضوعات میں سے سیاسی شاعری،مذہبی شاعری وغیرہ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے کہ وہ کبھی مدح کے ضمن میں،کبھی ہجو کی شکل میں اور کبھی موازنہ ومقابلہ (المعارضة) کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ان جدید موضوعات کے بالمقابل عباسی شعراء نے قدیم موضوعات اور مروجہ اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے تاہم ان کے اس فضل وبرتری کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ انھوں ان قدیم موضوعات میں سے بعض موضوعات کے دائرہ کو مزید وسعت بخشی دی تھی جیسے وصف نگاری میں عام طور صحرا وبیابان،جانور،محبوبہ اوران جیسے موضوعات کو مدنظر رکھا جاتا تھا لیکن عہد عباسی میں وصف نگاری کا دائرہ مزید وسیع ہوگیا کہ عالی شان محلات اوراس کے لوازمات کو شعری قالب میں ڈھالا جانے لگا،شراب اور گانے کی مجلسوں کا نقشہ لفظوں میں کھینچا جانے لگا،مغنیوں اور مغنیات کا سراپا بیان کیا جانے لگا،شراب اوراس کے برتن،ساقی اور دیگر لوازمات کی تصویر کشی الفاظ کی مدد سے کی جانے لگی۔دل فریب اور خوش منظر باغات،میلوں ٹھیلوں اور تہواروں کا نقشہ الفاظ میں کچھ اس طرح کھینچا گیا کہ پڑھنے والا خود کو وہیں پاتا ہے۔

اسی طرح عہد عباسی کی شاعری میں مدح کے خدوخال بھی بدلتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ شعراء خلیفہ کی تعریف اس کے منصب خلافت کے مطابق کرتے ہیں جن میں ان جلال وہیبت کا وصف ابھر کر سامنے آتا ہے کہ وہ محض حاکم وسلطان نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کی ارضی خلافت کے نمائندے ہیں جن کا ادب واحترام ہر حال میں ملحوظ ہوگا۔اسی طرح وہ ائمہ کی بھی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض شعراء شیعی ائمہ کو خلفاء سے افضل قرار دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے ہیں جبکہ خلیفہ،اللہ کے بندوں کے ذریعہ منتخب کیے جاتے ہیں لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عباسی شعراء نے مدح کو ایک مذہبی رنگ دے دیا تھا۔

عصر عباسی کی مدحیہ شاعری میں ایک نمایاں تبدیلی ہوئی تھی کہ مدحیہ قصائد کے روپ میں سیاسی اور مذہبی شاعری کی جانے لگی تھی کہ شعراء اپنے سیاسی ودینی

ومذہبی رجحانات کو مدحیہ قصائد میں پیش کر کے خلیفۂ وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور کافی حد تک اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے کہ اس کے نتیجہ میں انھیں انعامات واکرامات سے نوازدیا جاتا تھا۔

عصر عباسی کی ہجویہ اور رثائیہ شاعری کا حال بھی تقریباً عصر عباسی کی مدحیہ شاعری کی طرح تھا کہ شعراء اپنے قصائد میں خلیفۂ وقت، امرائے دربار اور صاحب اثر ورسوخ حضرات کی چشم ابرو کا خیال رکھنے لگے تھے تاکہ وہ ان سے خوش رہیں اور انھیں داد ودہش اور مال ودولت سے نواز دیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ عصر عباسی میں ہجو کے مقابلہ میں مرثیہ کا دامن زیادہ وسیع ہوا تھا کہ اس کی ایک بالکل نئی شکل ''رثـــاء المـدن ''(شہروں کے نوحے) کا ظہور ہوتا جس نے آگے چل کر ایک صنف کی حیثیت اختیار کر لی تھی، خاص طور سے فارسی شاعری میں۔ مرثیہ کی اس مخصوص قسم میں متعدد شہروں کی بربادی وبیابانی پر نوحہ پڑھا گیا خاص طور سے بغداد کی بربادی کا ذکر اتنے مؤثر انداز میں کیا گیا ہے اسے پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے اور آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔

عصر عباسی کی شاعری کے بالکل نئے موضوعات میں سے ایک طرف زہدیہ اور صوفیانہ شاعری کا آغاز ہوتا ہے تو دوسری طرف غزل غلمان اور وصف شراب جیسے موضوعات بھی پروان چڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان جیسے موضوعات میں فسق وفجور، فحاشی اور بدکاری کا اعتراف برملا کیا جانے لگا تھا۔ شاعری کے یہ دونوں رنگ بالکل متضاد کیفیت کے حامل ہونے کے باوجود عصر عباسی کے سماجی، ثقافتی ماحول کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔

اس عہد کی شاعری کے بالکل نئے موضاعات میں ''الـطـردیـات ''(شکاریات) کا بھی شمار ہوتا ہے جس میں شکار کے سفر کا نقشہ کھینچا جاتا ہے، شکار کرنے کے مختلف طریقوں کو الفاظ کا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ شکاری جانوروں اور شکار کیے جانے والے جانوروں کے اوصاف کو الفاظ کے قالب میں یوں ڈھال دیا جاتا ہے کہ قاری خود کو اس کا ایک جز سمجھنے لگتا ہے۔

مختصر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی کے تقاضوں کے مطابق اور اس وقت کے ماحول وحالات سے متاثر ہو شعراء نے اپنی شاعری کے محور نگاہ کو تبدیل کر لیا تھا اور ان کی شاعری صحرا کی بے پایاں وسعت، فطری مناظر، کھنڈرات، مٹی کے مکانات اور خیموں کی تصویر کشی کرنے کے بجائے شہری زندگی کی رونق اور لوازمات، محلات وباغات، لہو وطرب اور دوستوں کے ساتھ راگ ورنگ کی محفلوں کی عکاسی کرنے لگی تھی۔ شاعری کے قدیم موضوعات جیسے مدح وفخر وغیرہ میں کچھ نئے موضوعات جیسے زہدیہ شاعری اور وصف غلمان وغیرہ کا اضافہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ مزاح اور ظرافت کے کچھ نمونے بھی اس عہد میں ملتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تبدیلیوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قدیم موضوعات- جیسے صحرا کی تصویر کشی، محبوبہ کے اجڑے دیار پر آنسو بہانا، اونٹ ودیگر جانوروں کی شاعری وغیرہ- بالکل ہی ترک کر دیے گئے تھے۔ بعض محافظین شعراء اس قدیم اسلوب کی پیروی بھی کرتے تھے اور اپنے قصائد کا آغاز قدیم شعری روایت کے مطابق ہی کرتے تھے تاہم ان کے انداز بیان اور طرز اسلوب پر کسی نہ کسی حد تک اس وقت حالات کے اثرات نظر آتے ہیں۔

5.5 عصر عباسی کے شعراء کی موضوعاتی تقسیم

عصر عباسی کا زمانی دورانیہ پانچ سو سال سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ اس دورانیہ میں نہ صرف قدیم اصناف سخن پر داد وتحسین حصول کے ساتھ ساتھ ان میں نت نئی تبدیلیاں کی گئیں بلکہ کچھ بالکل نئے اور جدید موضوعات کو شاعری کا موضوع بنایا گیا۔ عصر عباسی میں عربی شاعری اپنے نئے رنگ وروپ میں جلوہ گر ہوتی ہے اور اپنے حسن وجمال کے جلوے بکھیرتے ہوئے نظر آتی ہے جس کی وجہ سے عہد عباسی کے شعراء کو حسب ذیل مختلف جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

☆شـعـراء البـداوة :اس طبقہ سے مراد وہ شعراء ہیں جو جزیرۂ عرب خاص طور سے نجد وحجاز سے تعلق رکھتے تھے لیکن بصرہ، کوفہ اور بغداد میں جا بسے تھے۔ ان شہروں میں بود وباش اختیار کرنے کے باوجود وہ ان کی زندگی بدویانہ طرز پر گذرتی تھی اور اپنی شاعری میں ناموس بدوی الفاظ اور تعبیرات وغیرہ کا استعمال کرتے تھے۔ اس طبقہ کے مشہور شعراء میں ابن میادہ، ابن ہرمہ اور حسین بن مطیر کا شمار ہوتا ہے۔

☆الشـعـراء المجددون :اس طبقہ میں ان شعراء کا شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے عربی شاعری کے ظاہری خدوخال اور طرز واسلوب میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کی تھیں جن کی وجہ سے عربی شاعری کا یک نیا رنگ وآہنگ سامنے آتا ہے۔ اس طبقہ کے مشہور شعراء میں بشار بن برد، ابونواس کا شمار ہوتا ہے۔

☆الشـعـراء الـمـفـتـنون :اس طبقہ سے مراد وہ شعراء لیے جاتے ہیں جنھوں.....۔ اس طبقہ کے مشہور شعراء میں ابوالشیص، ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم موصلی، ربیعۃ الرقی، اشجع سلمی، حسین بن ضحاک کا شمار ہوتا ہے

☆شـعـراء الصنعة :اس طبقہ سے مراد وہ شعراء لیے جاتے ہیں جنھوں.....۔ اس طبقہ کے ممتاز شعراء میں مسلم بن ولید ملقب بہ صـریع الغواني، ابوتمام، ابن المعتز جیسے شعراء شامل ہیں

☆الشعراء المحافظون :اس طبقہ سے مراد وہ شعراء لیے جاتے ہیں جنھوں قدیم اسلوب شاعری کو زندگی بھر برتا اور پنی شاعری کو زمانہ اور ماحول سے مکمل طور محفوظ رکھا۔اس طبقہ کا نمائندہ شاعر صرف بحتری کو قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆الشعراء المبدعون:اس طبقہ سے مراد وہ شعراء لیے جاتے ہیں جنھوں ....۔اس طبقہ کے اہم شعراء میں ابن الرومی جیسے شعراء شامل ہیں

☆شعراء المذاهب والوجدان والفكر :شعراء کا یہ طبقہ مختلف رجحانات ومیلانات کو اپنی شاعری میں پیش کرتا ہے۔دراصل یہ طبقہ مختلف خیالات،رجحانات ومیلانات رکھنے والے شعراء کی ایک بڑی اکائی ہے جسے حسب ذیل طبقات میں تقسیم کیا جاتا ہے:

☆شعراء العباسية:اس طبقہ سے وہ شعراء مراد لیے جاتے ہیں جو حکومت عباسیہ کے مختلف مناصب پر فائز تھے جیسے مروان بن حفصہ،علی بن جبلہ اور علی بن جہم۔

☆شعراء الشيعة :اس طبقہ میں وہ شعراء شامل کیے جاتے ہیں آل بیت میں سے حضرت علی اور ان کی اولاد کو خلافت وحکومت کا مستحق اور آل عباس کو ان کا حق غصب کرنے والا سمجھتے تھے جیسے سید حمیری اور دعبل بن علی خزاعی۔

☆شعراء العشق :عشق ومحبت کے مارے ہوئے شعراء میں عباس بن احنف،عکاشہ العمّی،ابوبکر محمد بن داؤد اصفہانی کا نام لیا جاتا ہے جنھوں نے اپنی شاعری میں صرف عشق ومحبت کے نغمے گائے ہیں۔

☆شعراء الزهد والحكمة والمواعظ :عصر عباسی میں پروان چڑھنے والی اس جدید صنف کے نمائندہ شعراء میں صالح بن عبدالقدوس،احمد بن معذل، ابوالعتاہیہ،ابونواس اور محمود وراق کا شمار ہوتا ہے۔

☆شعراء علماء :عصر عباسی کی فضاؤں میں شاعری یوں رچ بس گئی تھی کہ اس زمانہ کے جید علماء بھی اس کی زلف کے پرستار نظر آتے ہیں۔اس عہد کے جن علماء وفضلاء نے اس میدان میں اپنے نمونے بطور یادگار چھوڑے ہیں ان میں عتابی،ابوالعباس ناشئ اکبر،ابن داؤد ظاہری اور یحییٰ بن علی بن یحییٰ منجم کا بطور خاص ذکر کیا جاسکتا ہے۔

☆شعراء الطبع والزندقة :اس طبقہ کی نمائندگی کرنے والے شعراء میں مطیع بن ایاس،والبہ بن حباب اور یحییٰ بن زیاد جیسے شعراء شامل ہیں۔ان شعراء نے ساری زندگی صرف فسق وفجور اور اخلاق وکردار کو خراب کرنے والے موضوعات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا تھا۔اسی طبقہ میں ابوالعتاہیہ اور ابونواس کا شمار بھی کیا جاتا ہے لیکن چونکہ انھوں نے آخری زندگی میں توبہ کرلی تھی اس لیے خواتیم کا اعتبار کرتے ہوئے ان کا ذکر اس طبقہ کی بجائے دیگر طبقات میں کیا جاتا ہے۔

شعراء کی مذکورہ بالا موضوعاتی تقسیم سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد کی شاعری کیا کیا رنگ وروپ تھے۔اسی طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عربی شاعری کے دیگر ادوار کی طرح اس عہد میں شعراء کا ایک مخصوص طبقہ نہیں تھا جو صرف شاعری کرتا تھا بلکہ اس عہد کے شعراء میں شعراء کے مخصوص طبقہ کے ساتھ سماج کے مختلف طبقات جیسے عباسی خلفاء،امراء،وزراء وغیرہ بھی اپنے اپنے جذبات وخیالات کو شعری قالب میں ڈھال رہے تھے لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عصر عباسی کی شاعری کو فروغ دینے میں سماج کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔

اس عہد کی شاعری کو فروغ دینے میں عباسی خلفاء میں سے ہارون رشید،مامون،مہدی اور واثق نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ان کے شانہ بہ شانہ عباسی وزراء- جیسے قاضی احمد بن داؤد-اور دیگر امراء وقائدین وعمائدین سلطنت- جیسے ابودلف عجلی-بھی چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مذکورہ بالا شخصیات کے علاوہ اس عہد کے مشہور نثر نگاران جیسے ابراہیم صولی،محمد بن عبدالملک زیات اور احمد بن طاہر نے بھی بہت آسان زبان میں شعری نمونے بطور یادگار چھوڑے ہیں جن میں ''رسائل'' کے اسلوب کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

اسی طرح اس عہد میں ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جنھوں نے موسیقی،شعراء اور غناء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا تھا۔ایسے افراد میں ابراہیم صولی،ان کے صاحبزادے اسحاق اور ابراہیم بن مہدی کے نام خصوصی طور پر لیے جاسکتے ہیں۔

عصر عباسی میں شعروشاعری کے چلن کے عام ہونے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کئی ایک علماء وفضلاء نے بھی اس میدان میں طبع آزمائی کی ہے جیسے عتابی،ابن داؤد ظاہری،ناشئ اکبر اور یحییٰ بن علی بن یحییٰ منجم وغیرہ۔

اس عہد میں چند شاعرات اور مغنیات بھی اپنے جلوے بکھیرتے ہوئے نظر آتی ہیں جن کا ذکر ابوالفرج اصفہانی نے ''كتاب الأغاني ''میں کیا ہے۔ان شاعرات ومغنیات میں خلیفہ مہدی کی بیٹی علیہ،جنان ناطفیہ اور عنان کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔

5.6 عصر عباسی کی شاعری کے امتیازات وخصوصیات

عصر عباسی کی شاعری دیگر ادوار کی شاعری سے مختلف حیثیتوں سے ممتاز ومنفرد نظر آتی ہے۔اس عہد کی شاعری کے امتیازات وخصائص کو ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا

ہے:

☆ عربی-عجمی عصبیت کا فروغ جسے شعوبیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

☆ شاعری میں سیاسی، مذہبی اور دینی عناصر کا شامل ہونا۔

☆ مدح، ہجواور مرثیہ کے آفاق میں وسعت پیدا ہونا، خاص طور'' رثاء المدن ''(شہروں کے نوحے) کا ظہور۔

☆ عربی شاعری کے مروجہ اصناف جیسے مدح، وصف، ہجواور مرثیہ وغیرہ میں نمایاں تبدیلیاں جیسے مدح وہجو میں مبالغہ آمیزی اور وصف کے موضوعات میں تبدیلی جیسے کھنڈرات کی بجائے باغات ومحلات وغیرہ کی تصویر کشی۔

☆ فحاشی وبدگوئی کی ابتداء۔

☆ غزل حقیقی کے ساتھ ساتھ غزل غلمان/ امرد پرستی کا آغاز۔

☆ شاعری میں فلسفیانہ افکار وخیالات اور حکمت ودانائی کی آمیزش کی ابتداء۔

☆ مختلف نئی اصناف کا ظہور جیسے خمریات، زہدیات، طردیات اور غزل غلمان/ امرد پرستی وغیرہ۔

☆ حکایتوں کو نظم کے قالب میں پیش کرنا۔

☆ علمی ودینی اور مذہبی مباحث کو شعری قالب میں ڈھالنا۔

☆ شاعری کے موضوعات ومضامین، افکار وخیالات ومعانی اور اسلوب میں تبدیلی۔

☆ خیالات اور تصورات کے اظہار میں تخیل (Imagination) کا سہارا لینا۔

☆ بدائع وصنائع کا کثرت سے استعمال۔

☆ مروجہ بحروں میں چھوٹی بحروں کا بکثرت استعمال اور کچھ نئی بحروں - جیسے مستطیل اور ممتد - اور قوافی - جیسے مسمط اور مزدوج - کو استعمال کرنے کا آغاز۔

☆ غیر مانوس اور بھاری بھرکم الفاظ کے استعمال سے اجتناب۔

☆ بدویانہ زندگی کی بجائے شہری زندگی کی تصویر کشی۔

☆ قصیدہ کے اجزاء میں تناسب اور موزونیت کے ساتھ ساتھ افکار وخیالات میں ربط کا پایا جانا۔

☆ شاعری کا کسب معاش کا اہم ذریعہ بننا۔

5.7 عصر عباسی کی شاعری کے ممتاز شعراء

5.7.1 بشار بن برد

عصر عباسی کے مشہور ترین شعراء میں بشار بن برد کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس کا خاندان کس علاقہ سے بصرہ منتقل ہوا تھا اس کے وطن اصلی کے تعیّن مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق وہ مشرقی ایران کا رہنے والا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کا خاندان طخارستان اور تیسرے قول کے مطابق وہ خراسان کا رہنے والا تھا۔ مہلب بن اَبی صفرہ نے اس کے والد کو ایک مہم کے دوران گرفتار کر کے بصرہ منتقل کر دیا تھا جہاں وہ اینٹیں بنانے کا کام کرتا تھا اور بنوعقیل بن کعب کی ایک معزز عورت نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس کی صحیح تاریخ ولادت کا بیان کہیں نہیں ملتا ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ اس کی ولادت 95ھ/ 714ء یا 96ھ/ 715ء میں بمقام بصرہ ہوئی تھی۔ ابتدائی زندگی اور بچپن کے حالات کا ذکر مصادر میں نہیں ملتا ہے۔ موجود معلومات کے مطابق وہ بنوعقیل کا آزاد کردہ غلام (مولی) تھا اور ان سے ایک عرصہ تک وابستہ رہا۔ وہیں عربی زبان سیکھی جس کی صحت وفصاحت پر وہ زندگی بھر ناز کرتا رہا۔ وہ حد درجہ تک بدصورت وبدشکل اور نابینا ہونے کے باوجود صاحب اقتدار حضرات کا منظور نظر تھا کہ اسے اپنی تعلیوں اور فقرے بازیوں سے کسی کو بھی مرعوب کرنے کا ڈھنگ اچھی طرح سے آتا تھا۔

اس کے حالات زندگی کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس نے اپنی ذات پر ایک خول چڑھا رکھا تھا اور اپنے دل کی بات کسی پر بھی ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا، اس کے اندر خلوص کا مادہ بہت کم پایا جاتا تھا اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ وہ تندمزاج، بدگو اور زبان دراز تھا۔ اس کے مذہبی خیالات کیا تھے اس کا حتمی طور پر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ مختلف اوقات میں اس نے مختلف مذہبی افکار وخیالات کا اظہار کیا ہے کہ کبھی وہ شعوبیت کا طرف دار نظر آتا ہے تو کبھی شیعیت کا، کبھی اس پر مانوی اعتقاد کا رنگ چڑھا ہوا نظر آتا ہے تو کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے وہ زرتشتی عقائد پر عمل پیرا ہے اور کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے وہ مذہب کے معاملے میں بہت ہی زیادہ متشکک ہے جس میں

بقول مقالہ نگار دائرۃ المعارف قدریت کی آمیزش بھی پائی جاتی ہے جس نے اسے قنوطی اور لذت پسند بنا دیا تھا۔

بشار بن برد کے اندر شاعری کا فطری مادہ پایا جاتا تھا کہ صرف دس سال کی عمر میں اس نے اپنی شاعری کا آغاز کر دیا تھا۔ بصرہ کے علمی و ادبی ماحول نے اس کی خداداد شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ بصرہ ''مربد'' (کاروان سرائے) اس وقت نوجوان اور ابھرتے ہوئے فنکاروں کی نہ صرف آماجگاہ بنا ہوا تھا بلکہ اس نے ایک ''دبستان'' کی صورت اختیار کر لی تھی۔ ''مربد'' کی علمی و ادبی فضا میں وہ پروان چڑھا اور اس وقت کی شعری روایات میں اپنے آپ کو ڈھال کر عربی شعر و ادب کے ذخیرہ میں عمدہ اور بہتر اشعار کا اضافہ کیا۔

اموی دور کے اس کے ممدوحین میں سے ابن ہبیرہ، مسلم بن قتیبہ اور اموی خلافت کے آخری جانشین مروان وغیرہ شامل ہیں۔ عباسی خلافت و حکومت کے قیام کے وقت وہ صرف سینتیس (37) برس کا تھا۔ عصر عباسی میں اس کے ممدوحین میں بصرہ اور دیگر مقامات کے گورنرس - جیسے سلیمان عبسی اور اس کے بیٹے، عقبہ بن سلم اور اس کے بیٹے نافع - کا شمار کیا جاتا ہے۔

بشار بن برد، خلیفہ منصور کا منظور نظر شاعر تھا۔ شاعر کا خلیفۂ وقت سے کیا تعلق تھا اس کا اندازہ اس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان کے قافلۂ حج میں شامل تھا۔ اس نے خلیفہ منصور کی مدح میں کئی ایک قصائد لکھے ہیں۔ لیکن آگے چل کر اس کے تعلقات خلیفہ سے کافی کشیدہ ہو گئے تھے۔ خلیفہ منصور کے علاوہ اس نے خلیفہ مہدی کی شان میں بھی قصائد کہے ہیں لیکن ایک سازش کے نتیجہ میں وہ خلیفہ کی نگاہوں میں معتوب قرار پاتا ہے اور اسے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

اس کا خاندان چونکہ مشرقی ایران کا رہنے والا تھا لہذا اس کے اندر شعوبیت کے میلانات پائے جاتے تھے۔ اپنے اسی شعوبی میلانات کی وجہ سے وہ قدیم ایران کی شان و شوکت اور عظمت کا ذکر اپنی شاعری میں جا بجا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے بعض افکار و خیالات میں الحاد کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

بشار بن برد کی وفات 168ھ/ 784ء میں ہوئی تھی۔ متفقہ رائے کے مطابق وفات کے وقت اس کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ صفدی کے مطابق وفات کے وقت اس کی عمر 99 سال تھی، جبکہ ایک دوسرے قول کے مطابق وفات کے وقت وہ اپنی عمر کی ساتویں دہائی میں تھا۔ مؤخر الذکر قول کی تردید خود اس کے اشعار سے ہوتی ہے:

وحسبك أني منذ ستين حجة أكيد عفاريت العدى و أكاد

عہد عباسی کے دیگر شعراء کے مقابلہ میں بشار بن برد اس لحاظ سے ممتاز و برتر قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ قادر الکلام شاعر نے کے ساتھ ساتھ ایک مقرر و خطیب، انشا پرداز اور ناقد بھی تھا لیکن بحیثیت شاعر اسے زیادہ شہرت و مقبولیت ملی تھی۔ وہ نہایت زود گو شاعر تھا۔ خود اس کے اپنے قول کے مطابق اس نے 12 ہزار قصائد کہے تھے لیکن بدقسمتی وہ سب کے سب محفوظ نہ رہ سکے۔ چونکہ وہ نابینا تھا لہذا اپنا کلام پیش کرنے کے لیے اسے راویوں اعتماد اور بھروسہ کرنا پڑتا تھا۔ اس کے چار مشہور راوی بیان کیے جاتے ہیں جن میں خلف الاحمر کا نام بھی شامل ہے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلف الاحمر نے بھی اس کا دیوان جمع کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی جس کے نتیجہ میں اس کی شاعری کا اکثر حصہ ناپید ہو گیا۔

تیسری صدی ہجری/ نویں صدی میں مرتب کیے جانے والے شعری مجموعوں اور تراجم کی کتابوں میں ہی اس کے کلام کا ایک مختصر حصہ محفوظ ہو سکا ہے جیسے احمد بن طاہر طیفور کا مرتب کردہ انتخاب ''اختیار شعر بشار'' میں اس کی شاعری کا صرف ایک حصہ ہی محفوظ ہو سکا ہے۔ فصاحت و بلاغت اور مضامین کے تنوع کے باوجود اس کے دیوان کا باقی ماندہ حصہ بھی کافی عرصہ تک غیر مطبوعہ رہا' اس کے علاوہ ''خالدیین'' کے منتخب کردہ اس کے دیوان کو 1935ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے استاد بدرالدین علوی نے اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا تھا۔ خالدیین کے منتخب کردہ دیوان کا نام ''المختار من شعر بشار'' ہے جس کی شرح اسمعیل بن احمد تجیبی نے لکھی ہے۔ عصر حاضر میں جناب محمد طاہر بن عاشور نے اس کا دیوان مرتب کیا ہے جسے وزارۃ الثقافیۃ الجزائریۃ، جزائر نے 2007ء میں شائع کیا ہے۔

اخلاق و کردار

بشار بن برد کا شمار ان افراد میں ہوتا ہے جو اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔ اسے دوسروں کا مذاق اڑانے اور لوگوں پر طنز و تشنیع کرنے میں بہت مزا آتا تھا۔ اس نے اپنے عہد کے کئی ایک نامور ان کا مذاق اڑایا ہے جن میں حضرت حسن بصریؒ اور مالک بن دینارؒ جیسی معتبر شخصیات اور ہستیاں بھی شامل ہیں۔ اس کے اندر اخلاص کا مادہ بہت ہی کم پایا جاتا تھا لہذا اسے اپنے منافع و فوائد کی خاطر اپنی وفاداریاں بدلنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے عدم خلوص کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف وہ اموی خلفاء کی مدح سرائی کرتا ہے تو دوسری طرف جب ان کی بساط حکومت لپیٹ دی جاتی ہے تو عباسی خلفاء کی مدح سرائی کرتے ہوئے اموی خلفاء کی ہجو کرنے سے بھی باز نہیں آتا ہے۔ وہ بہت بے باک اور مضبوط دل و دماغ والا تھا اور کسی سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔ اس کے مزاج میں سرکشی اور بغاوت پائی جاتی تھی اور بار بار

ہونا تھا جس کی وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار ہو گیا تھا جس نے اس کے اندر تند مزاجی، بدگوئی و بدزبانی پیدا کر دی تھی جس کا اندازہ اس کی ہجویات میں پائی جانے والی تلخیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ نہایت ہی بے شرم واقع ہوا تھا کہ وہ اپنے اشعار میں صنف نازک اور ان سے اپنے تعلقات کا ذکر بغیر کسی شرم وحیاء کے کرتا ہے۔

شاعری

بشار بن برد کی شاعری میں عہد اموی کے خاتمہ اور عہد عباسی کے آغاز کے وقت پائے جانے والے شاعرانہ مذاق و ماحول کے نمایاں اثرات ملتے ہیں کہ ایک طرف وہ قدیم شعراء کی تتبع کرتے ہوئے اپنے رسمی قصیدے کہتا ہے جس میں تشبیب، گریز، مدح اور مقصد کے عناصر پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف وہ جدید ماحول اور حالات سے متاثر ہوتے ہوئے قدیم شعراء کے اسلوب کو خیر آباد کہتا ہوا بھی نظر آتا ہے اور ایک نئے رنگ و آہنگ کا شاعر بن کر ابھرتا ہے جس کی وجہ سے وہ عہد عباسی کی جدید شاعری کا بانی اور مولدین شعراء کا امام قرار پاتا ہے۔

دوسری صدی ہجری/ آٹھویں صدی کے وسط کی عبوری شاعری میں، بشار بن برد کی اہمیت اور مقام و مرتبہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے جہاں قدیم روایات دم توڑتی ہوئی اور جدید روایات منظر عام پر جلوہ گر ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بشار بن برد کی نمایاں خصوصیت، بدوی عرب شاعروں کی وہ روایات ہیں جو اسے ورثے میں ملی تھیں اور اس نے ایک زمانہ تک اس کی حفاظت اور پیروی بھی کی تھی لیکن ماحول و حالات کی تبدیلی سے متاثر ہوتے ہوئے اس نے دھیرے دھیرے ان روایات کو خیر آباد کہہ کر نئی روایات کی طرح رکھی جس کی وجہ سے اسے عہد عباسی کے شعراء میں نہ صرف ایک نمایاں مقام و مرتبہ حاصل ہوا بلکہ اسے عہد عباسی کی جدید شاعری کا بانی و مبانی بھی قرار دیا گیا۔

اس کی شاعری کے اہم موضوعات میں مدح، مرثیہ اور ہجو شامل ہیں تاہم بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف اس کے مراثی نے اسے شہرت دوام بخش دی ہے۔ بشار بن برد کی شاعری مختلف اصناف سخن کے نمونے ملتے ہیں۔ اس نے خمریات کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن ان پر عاشقانہ رنگ زیادہ غالب ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی حقیقی اور فرضی محبوباؤں کے ساتھ اپنے عشق کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس نے اپنی عشقیہ شاعری میں زبان و بیان کے استعمال میں کافی جرأت سے کام لیتے ہوئے انھیں اس طرح شعری قالب میں ڈھالا ہے کہ پڑھنے والا کافی لطف اندوز ہوتا ہے۔

بشار کے کلام میں بلند قسم کی فکری نظموں کے نمونے بھی ملتے ہیں جن میں وہ اپنے سوقیانہ پن سے پرہیز کرتا ہوا نظر آتا ہے اور بسا اوقات بڑی بصیرت افروز باتوں کو شعری قالب میں ڈھال دیتا ہے جو اس کی شاعری میں حکمت کے موتیوں کی طرح جا بجا بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کی شاعری کا اہمیت اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف جہاں خواص میں اس کے اشعار کی دھوم مچی ہوئی تھی کہ متعدد ناقدین ادب نے - جیسے ابوعبیدہ، اصمعی، خلف الاحمر، جاحظ وغیرہ - نے اسے اپنے عہد کا نمایاں ترین شاعر قرار دیا ہے وہیں عوام میں بھی خصوصا نوجوانوں اور عورتوں میں بہت زیادہ مقبول تھے اور میلوں ٹھیلوں میں ترنم کے ساتھ گا گا کر پڑھے جاتے تھے۔

بشار بن برد کے شاعرانہ کمالات اور عربی شاعری میں اس مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے بعد آنے والی نسل کے کئی ایک شعراء کو اپنے طرز بیان اور شاعرانہ اسلوب سے بہت زیادہ متاثر کیا تھا جن میں سے نمایاں طور پر ابونواس، ابوالعتاہیہ، عباس بن احنف اور سلم الخاسر کے نام گنائے جا سکتے ہیں۔

5.7.2 ابونواس

ابونواس کا شمار عہد عباسی کے ممتاز ترین شعراء میں ہوتا ہے۔ اس کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اسے عظیم جاہلی شاعر امرؤالقیس کا مدمقابل قرار دیا جاتا ہے کہ جو مقام متقدمین شعراء (الشعراء المتقدمون) میں امرؤالقیس کو حاصل تھا وہی مقام ابونواس کا جدید شعراء (الشعراء المُحدَثون) کے درمیان تھا۔ اگر اس کا کوئی مدمقابل قرار دیا جا سکتا ہے وہ بشار بن برد ہے۔ بعض مؤرخین ادب - جیسے کلثوم العتابی - نے اسے امرؤالقیس سے بھی بڑا شاعر قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر وہ عہد جاہلیت میں ہوتا تو اس کے مقابلہ میں کسی اور کو پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ابونواس کا نام حسن بن ہانی ہے۔ اس کی ولادت اہواز اور نشو و نما بصرہ میں ہوئی تھی۔ اس کی تاریخ ولادت میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختلف کتابوں میں اس کی مختلف تاریخ پیدائش درج کی گئی ہیں جن کے مطابق اس کی پیدائش 130 تا 146ھ/ 747 تا 763ء کے درمیان ہوئی تھی۔ ان تاریخوں میں ڈاکٹر شوقی ضیف نے سنہ 139 ہجری کو راجح قرار دیا ہے تو پروفیسر محمد زغلول سلام کے مطابق سنہ 141 ہجری ارجح قول ہے۔ احمد حسن زیات اور حنا فاخوری نے اس کی تاریخ پیدائش 145ھ 762ء قرار دی ہے تو الأعلام کے مؤلف زرکلی نے 146ھ/ 763ء نقل کی ہے۔ تاریخ ولادت کی طرح اس کے والدین کے بارے میں متضاد اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق اس کے والد عربی النسل تھے اور والدہ فارسی النسل۔ دوسرے قول کے مطابق اس کے والدین فارسی النسل تھے۔ شوقی ضیف اور حنا فاخوری نے نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

ابونواس کے والد کی وفات اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد ہی ہو گئی تھی کہ اس کی والدہ جب اسے لے کر بصرہ منتقل ہوئیں تو وہ محض دو سال کا تھا۔ بصرہ میں ہی وہ

پروان چڑھا۔اس کی والدہ نے اپنی تمام تر پریشانیوں کے باوجود اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ابونواس کو بھی پڑھنے لکھنے کا شوق وذوق تھالہذا وہ آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ وہ مساجد میں لگنے والے علمی حلقات میں شریک ہونے لگا جہاں اس کی ذہانت وذکاوت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے استاد یعقوب حضرمی نے اسے بصرہ کا سب سے بڑا عالم قرار دیا تھا(اذهب فأنت أقرأ أهل البصرة)۔

ابونواس میں شاعری کی فطری صلاحیت موجود تھی لہذا اس نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں ہی مشق سخن کا آغاز کر دیا تھا۔ضرورت معاش نے اسے ایک کتاب کی دوکان پر نوکری کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔اسی دوکان پر اتفاق سے والبہ بن حباب کی اس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی جس سے وہ خود بھی ملنے کا مشتاق تھا۔اس ملاقات میں والبہ نے اس کے اندر پوشیدہ جوہر کو بھانپ لیا تھا لہذا اس نے اسے اپنے ساتھ کوفہ چلنے کو کہا۔والبہ کی یہ پیشکش اس کے ذوق کے عین مطابق تھی۔اسے تو گویا اس کا گوہر مقصود مل گیا لہذا وہ فوراً تیار ہو گیا۔والبہ نے اس کے جوہر شاعری کو جلا بخش دی لیکن وہ اپنے استاد کی شخصیت کے بداثرات سے بھی محفوظ نہ رہ سکا کہ اس میں جو بے راہ روی، بے دینی، مذہب کا مذاق اڑانے کی عادت اور دیگر بری عادتیں پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب والبہ اور اس کے ہم نشینوں کی ہم نشینی کا نتیجہ ہیں۔

ابونواس کے دیگر اساتذہ میں علم لغت کے ماہر ابوزید انصاری، مؤلف ''النوادر''، ابوعبیدہ معمر بن مثنی اور مشہور راوی اشعار خلف الاحمر جیسے با کمال اور اہل علم حضرات شامل ہیں۔موخر الذکر سے ابونواس نے بہت زیادہ استفادہ کیا تھا اور اسی کے مشورہ کے مطابق اس نے قدیم شعراء عرب کے اشعار کو حفظ کر لیا تھا۔اس محنت شاقہ کا نتیجہ بھی عین توقع کے مطابق نکلا اور اس کی زبان دانی اور اسلوب میں ایک خاص قسم کا نکھار پیدا ہو گیا جس نے اسے عہد عباسی کے دیگر شعراء سے ممتاز و برتر بنا دیا تھا۔

ان با کمال اساتذہ سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ابونواس کی شخصیت میں کافی نکھار پیدا ہو گیا تھا۔اسے ادبی علوم، خاص طور سے علم لغت میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ساتھ ہی ساتھ علم نجوم، طب، فلسفہ اور دیگر علوم طبیعیہ میں بھی اسے خاصا درک حاصل تھا جس کا ثبوت اس کے دیوان میں جا بجا بکھرا ہوا ہے۔

تکمیل علم اور شاعری کے ایک مقام ومرتبہ پر پہنچنے کے بعد وہ اس وقت کے ادبی مرکز بغداد کے لیے عازم سفر ہوا۔اسے اس بات کی امید تھی کہ وہ اپنے مدحیہ قصائد سے دربار خلافت میں ایک مقام حاصل کر لے گا لیکن اس کی یہ امید کامل طور پر پوری نہ ہو سکی۔تاہم ہرثمہ بن اعین کی کوششوں سے اس کی رسائی ہارون رشید کے دربار میں ہوئی اور اسے انعام واکرام سے بھی نوازا گیا لیکن اس کی بے راہ روی اور بے باکی اس کی ترقی کے لیے سب سے بڑا روڑا بن گئی کہ ہارون رشید نے بے راہ روی سے باز آنے کے لیے اسے بار بار تنبیہ کی حتی کہ قید خانہ میں بھی ڈال دیا لیکن وہ اپنی عادتوں سے باز نہ آیا۔ہارون رشید اسے بار بار سزا دیتے تھے اور وہ بار بار معافی کا طلب گار ہوتا تھا۔ہارون رشید اسے امید پر معاف کر دیتے کہ شاید وہ سدھر جائے لیکن وہ موقع ملتے ہی اپنی سابقہ روش اختیار کر لیتا تھا۔

ہارون رشید کے دربار سے زیادہ پذیرائی اسے آل برامکہ کے یہاں ملی۔ان کی ہی کوششوں سے ہارون رشید اسے بار بار معاف کر دیا کرتے تھے لیکن جب آل برامکہ پر زوال آیا تو اسے بھی بغداد چھوڑنا پڑا۔بغداد سے نکل کر اس نے فسطاط (مصر) میں قیام کیا اور محکمہ خراج کے نگراں خصیب (دائرۃ المعارف میں: الخطیب) بن عبدالحمید کی شان میں مدحیہ قصائد کہے اور انعامات واعزازات کا مستحق قرار پایا لیکن بے حیائی کے میلان نے اسے وہاں بے چین کر رکھا تھا لہذا جلد ہی وہ بغداد لوٹ آیا۔جب وہ بغداد پہنچا تو خلیفہ ہارون رشید کا انتقال ہو چکا تھا اور خلافت کا تاج الأمین کے سر پر سجا ہوا تھا۔اس نے الامین کی مدح سرائی کی۔الامین کو اس کی ادا بھا گئی اور اس نے اسے اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنا لیا۔یہ زمانہ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ آرام وآسائش کا زمانہ تھا اور وہ اپنی شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گیا تھا۔

ابونواس کی تاریخ وفات میں تاریخ ولادت کی طرح کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔راجح قول کے مطابق اس کی وفات 198ھ/ 813ء یا 199ھ 814ء میں ہوئی تھی۔اس سے قبل ذکر کی جانے والی تمام تاریخیں غیر مستند قرار دی جاتی ہیں کہ اس کے دیوان میں عباسی خلیفہ امین کا مرثیہ بھی شامل ہے جن کی وفات 198ھ میں ہوئی تھی۔خلیفہ امین کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی ابونواس کی وفات ہوئی تھی۔ایک شاذ قول کے مطابق اس کی وفات 200ھ یا 201ھ؟؟ میں ہوئی تھی۔

شاعری

ابونواس کی شاعری عہد عباسی کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی وثقافتی حالات وواقعات کی منہ بولتی تصویر ہے۔اس کی شاعری میں گویا عصر عباسی کا سماج چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔وہ ایک قادر الکلام شاعر تھا جس نے عربی شاعری کے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔اس کا کلام فصاحت وبلاغت سے بھرپور ہوتا تھا، الفاظ اور ان کے نت نئے معانی پیدا کرنے میں اسے کمال حاصل تھا، اس کے کلام میں عیوب ونقائص کا تقریبا فقدان پایا جاتا تھا۔

ابونواس کی شاعری کے امتیازات میں سے ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے عربی شاعری کو بدوی خدوخال سے نکال کر ''شہری'' قالب میں پیش کیا۔اس کی شاعری کے فضل اعتراف کرتے ہوئے جاحظ نے لکھا ہے کہ مجھے اسے زیادہ لغت کے بارے میں جاننے والا نہیں ملا اور نہ ہی میں اس سے زیادہ فصیح شخص سے واقف ہوا۔امام شافعی علیہ الرحمہ بھی اس کے علم وفضل کا اعتراف کرنے والوں میں شامل ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اگر اس میں بے حیائی نہ ہوتی تو میں اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہ

کرلیتا۔

ابونواس نے عربی شاعری کی تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن اس کی شاعری کا سب نمایاں پہلو ''الخمریات'' (وصف شراب) ہے۔شراب کے وصف میں اسے کمال ومہارت حاصل تھی۔اسی کمال ومہارت کی بدولت عربی شاعری کے اصناف وانواع میں ایک نئی صنف ''خمریات'' کا اضافہ ممکن ہوسکا۔خمریات میں اس کے ماہرانہ اسلوب بیان کا اندازہ اس مثل سے کیا جاسکتا ہے''لو سمعه الحَسنان لهاجرا اليها وعكفا عليها''۔

اس کا شاعری کا دوسرا اہم پہلو''غزل الغلمان''(امرد پرستی) ہے۔ابونواس کو اس صنف سخن کا بھی بانی قرار دیا جاتا ہے۔اابونواس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی پوری زندگی میں صرف ایک عورت سے محبت کی تھی۔امرد پرستی کے موضوع پر کہے جانے والے اشعار میں وہ اپنی دل لگی کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔اس صنف نے جہاں ایک طرف غلط روایات کی بنیاد رکھی وہیں دوسری طرف اس سے ابونواس کی قادرالکلامی کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

اس کی شاعری کا تیسرا اہم پہلو''الطردیات''(شکاریات) ہے۔شکاریات اس کے دیوان کا ایک حصہ ہے۔عربی شاعری میں اس صنف کو سب سے پہلے متعارف کرانے والا ابونواس ہی ہے۔اس صنف سخن میں وہ شکاری کتوں، بازوں اور گھوڑوں کے ذکر ساتھ ساتھ ان جانوروں کا ذکر کیا گیا جن کا اس زمانہ میں شکار کھیلا جاتا تھا۔اس نے اپنے اشعار میں شکاریات کی جزئیات تک کو بہت ہی عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے جس کی اہمیت تشبیہات کی وجہ سے دوچند ہوجاتی ہے۔

اس کی شاعری کا چوتھا اہم پہلو''الزھدیات''(زاہدانہ شاعری) ہے۔زندگی کے آخری حصہ میں اس نے اس بات کا بہت شدت سے محسوس کیا کہ اس نے اپنی ساری زندگی فسق وفجور، معصیت اور شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے میں گذاردی ہے۔اس احساس نے اس کے اندر ایک شرمندگی سی پیدا کردی اور وہ اپنے رب سے توبہ کرنے اور اس کی طرف متوجہ ہوکر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے پر مجبور ہوگیا۔اس نے اپنے حال دل کو اشعار کے قالب میں ڈھال دیا جسے بعد میں ''زہدیات'' سے موسوم کردیا گیا۔چونکہ صنف زہدیات کا بانی ابوالعتاہیہ کو قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے موضوع پر شاعری کے عمدہ نمونے چھوڑے ہیں۔اردودائرۃ المعارف کی روایت کے مطابق جب ابونواس نے اس صنف سخن پر طبع آزمائی کرنے کا آغاز کیا تو ابوالعتاہیہ کو غالبا ایسا محسوس ہوا کہ اس کی برتری ختم ہوجائے گی لہذا اس نے ابونواس کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اس میدان میں طبع آزمائی نہ کرے لیکن اس نے ابوالعتاہیہ کی بات نہیں مانی اور اس صنف سخن پر طبع آزمائی کرتا رہا حتی کہ اس نے اس موضوع پر ایک خاطر خواہ سرمایہ بطور یادگار چھوڑ دیا۔(اردودائرۃ المعارف ۱/۸۵۸)۔

5.7.3 ابوالعتاہیہ

ابوالعتاہیہ کا شمار عہد عباسی کے زود گو شعراء میں ہوتا ہے۔اس کا پورا نام ابواسحاق اسماعیل بن قاسم بن سوید بن کیسان ہے لیکن متعدد شعراء کی طرح وہ بھی اپنی کنیت سے ہی مشہور ومعروف ہے۔130ھ/ 847ء میں بمقام کوفہ-ایک قول کے مطابق عین التمر - میں ہوئی تھی۔اس کے خاندان اور حالات زندگی کے متعلق معلومات نہ کے برابر ملتی ہے۔اس کا خاندان قبیلہ عنزہ بن ربیعہ کا موالی تھا اور حقیر اور معمولی خدمات انجام دیا کرتا تھا۔ابوالعتاہیہ نے اپنی نوجوانی کا آغاز گلی کوچوں میں مٹی کے برتن فروخت کرتے ہوئے کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے دل میں زندگی کے تعلق سے بڑی تلخی پیدا ہوگئی تھی۔ارباب حکومت کے خلاف اس کے دل میں کافی نفرت پائی جاتی ہے جس کا اظہار اس نے اپنی شاعری میں جابجا کیا ہے۔

اس کی جوانی کے ابتدائی ایام والبہ بن حباب کے اردگرد رہنے والے آوارہ گرد اور آوارہ مزاج شعراء کی صحبت میں گزرے تھے۔اسی زمانہ میں اس نے اپنی غزلیات اور زہدیات کی وجہ سے اچھی خاصی شہرت حاصل کرلی تھی۔اس کی شہرت میں مزید اضافہ اس وقت ہوا جب اس نے خلیفہ مہدی کی شان میں ایک قصیدہ کہا۔یہ قصیدہ غیر رسمی انداز میں تھا اس کے باوجود خلیفہ کو پسند آیا تھا اور اس نے اسے اپنے مقربین میں شامل کرلیا تاہم وہ جلد ہی اس کی نظروں میں معتوب بھی ہوگیا کہ اس نے عنزہ نامی کنیز سے اپنی محبت اور التفات کا اظہار برسرعام کرنا شروع کردیا لیکن اسے اپنی طرف ملتفت کرنے میں ناکام رہا۔اس نے اپنی محبت میں ناکامی کا ذمہ دار خلیفہ مہدی کو ٹھہرایا جس کی وجہ سے خلیفہ نے اسے سزا دینے کے ساتھ ساتھ جلاوطن بھی کردیا تھا۔اس کی جلاوطنی خلیفہ مہدی کی وفات تک جاری رہی۔

خلیفہ ہادی کے زمانہ میں وہ بغداد واپس آیا اور کی مبالغہ آمیز انداز میں مدح کرنی شروع کردی جس کی وجہ سے ہارون رشید اس سے ناراض ہوگئے اور اس کے دوست ابراہیم موصلی کے ساتھ قید میں ڈال دیا لیکن بعد میں اپنے غزلیہ کلام سے اس نے خلیفہ کا دل موہ لیا اور ان کے مقربین میں شامل ہوگیا۔ابوالعتاہیہ نے جب غزلیہ کلام چھوڑ کر زہدیہ شاعری کا آغاز کیا تو خلیفہ کو اس کی یہ روش پسند نہیں آئی اور اسے دوبارہ قید میں ڈال دیا لیکن فضل بن ربیع کی سفارش پر اسے چھوڑ دیا۔

ابوالعتاہیہ ایک زود گو شاعر تھا جس کی وجہ سے اس کا مکمل دیوان مرتب نہ ہوسکا تاہم ابن عبدالبر نے اس کے زاہدانہ اشعار کو مدون ومرتب کردیا تھا۔

ابوالعتاہیہ کی وفات کے تعلق سے مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے مشہور قول کے مطابق اس کی وفات 210ھ/825ء میں ہوئی تھی دیگر تاریخوں میں

211ھ/826ء، 206ھ/؟؟، 213ھ/ بیان کی جاتی ہیں۔ مؤخرالذکر روایت کی تائید ابوالعتاہیہ کے دوست مخارق کے بیان سے بھی ہوتی ہے

شاعری

ابوالعتاہیہ میں بشار بن برد کی طرح شاعری کی خداداد صلاحیت تھی تاہم افلاس اور معاشی تنگی کی وجہ اس اس بات کا موقعہ نہیں ملا کہ وہ متقدمین کی شاعری اور لسانیات کا درس لیتا۔ اس کی یہ محرومی اس کی شاعری میں ایک خاص قسم کی تازگی کا سبب بن گئی تھی۔ وہ شاعری کو کسب معاش کا ذریعہ سمجھتا تھا جس کے ذریعہ خوشحالی اور آسودگی کی جاسکتی ہے۔ اس نے اپنی شاعری کا آغاز غزلیہ شاعری کیا تھا اور کافی شہرت حاصل کر لی۔ عمر کے آخری حصہ میں اس نے غزلیہ شاعری کو چھوڑ کر زہدیہ شاعری کا آغاز کر دیا اور اس میدان میں اس قدر نام پیدا کر لیا کہ جب بھی زہدیہ شاعری کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس میں سب سے پہلے ابوالعتاہیہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کی شاعری کا یہ رنگ عربی شاعری میں ایک نئی صنف کے آغاز کا سبب بن گیا جسے عربی شاعری کی تاریخ میں ''زہدیات'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تاہم اس کے زاہدانہ اشعار کے بارے میں ناقدین کا خیال ہے کہ اس کے زاہدانہ اشعار بناوٹی ہیں اور ان میں خلوص کی مقدار کم پائی جاتی ہے۔

اردو دائرۃ المعارف کے مقالہ نگار کے بقول ''بحیثیت شاعر ابوالعتاہیہ کی حیرت انگیز کامیابی کا راز اس کی زبان کی سادگی، قادرالکلام سہولت ادا اور بے ساختہ گوئی میں مضمر ہے''۔ وہ عام طور سے اپنے قصیدوں میں سادہ زبان اور چھوٹی چھوٹی بحروں کا استعمال کیا کرتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے اس عہد کے مشہور موسیقار ابراہیم موصلی کی صحبت نصیب ہوئی جس نے اس کے اشعار کو موسیقی کے سانچے میں ڈھال دیا جس کی وجہ سے اس کی شہرت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

5.7.4 ابوتمام

عہد عباسی کے مشہور شعراء میں ابوتمام کا شمار بھی کیا جاتا ہے تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اسے اس کی شاعری کی بجائے اس کے مرتب کردہ منتخب اشعار نے شہرت دوام بخشی تھی جسے دنیائے ادب میں ''کتاب الحماسة'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ابوتمام کا پورا نام حبیب بن اوس طائی ہے۔ اس کی ولادت دمشق اور طبریہ کے درمیان واقع ایک قصبہ ''جاسم'' میں ہوئی تھی۔ اس کی تاریخ ولادت میں معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے تمام کی روایت کے مطابق اس کی ولادت 188ھ/804ء میں ہوئی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق جو خود ابوتمام سے ماخوذ ہے، اس کی ولادت 190ھ/806ء میں ہوئی تھی۔

ابوتمام اپنا سلسلۂ نسب قبیلہ طی سے جوڑتا ہے جب کہ بعض ناقدین کا کہنا ہے کہ اس کا تعلق قبیلہ طی سے نہیں تھا بلکہ اس نے مذکورہ قبیلہ سے اپنا حسب ونسب ثابت کرنے کے لیے جھوٹا نسب نامہ گھڑا تھا جس کی وجہ سے متعدد ہجویہ قصائد میں اس کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ تاہم یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہے کہ اس کا تعلق اس قبیلہ سے تھا کہ نہیں، تاہم مصادر عربی ادب میں اسے قبیلہ طی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''الطائی'' اور ''الطائی الأکبر'' کہا گیا ہے۔ اسی طرح اس پر اس بات کا الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ اس کے والد مسلمان نہیں بلکہ عیسائی تھے جس کا نام ثادوس یا تدوس تھا اور وہ دمشق میں ایک شراب کی دوکان کا مالک تھا۔ بعدازیں ابوتمام نے اس کا نام اوس رکھ دیا تھا۔ اس حوالہ سے بھی مؤرخین ادب عربی ابھی تک کسی حتمی رائے پر نہیں پہنچے ہیں۔

ابوتمام کی ابتدائی زندگی کے متعلق معلومات نہ کے برابر ملتی ہیں۔ مروجہ معلومات کے مطابق وہ کسی وقت دمشق سے مصر منتقل ہو گیا تھا اور جامع عمرو بن عاص میں سقہ گیری کرنے لگا تھا۔ اس مسجد میں سقائی کا اسے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ وہاں کے علمی وادبی حلقوں سے مستفیض ہوتا رہا حتی کہ وہ خود بھی ایک عالم اور شاعر بن گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس نے سب سے پہلے مصر کے ایک بڑے عہدہ دار-محصل-عیاش بن لہیعہ کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا تھا مگر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور اسے خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ چنانچہ اس نے اس کی شان میں ایک ہجویہ قصیدہ لکھ مارا اور اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔

مصر میں ناکامی کا سامنا کرنے کے بعد اس نے شام میں اپنی قسمت کو آزمایا لیکن یہاں بھی اسے مایوسی ہی ہاتھ لگی۔ شام میں اس نے سب سے پہلے ابوالمغیث موسی بن ابراہیم رافقی کی شان میں مدحیہ قصائد کہے لیکن اس کی جانب سے سرد مہری اور عدم التفات کی وجہ سے حسب معمول اس کی شان بھی میں ہجویہ قصائد کہے۔ اس کے بعد اس نے مامون کے دربار میں رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن قسمت کی دیوی اس پر ابھی تک مہربان نہیں ہوئی تھی لہذا اس دربار سے بھی اسے بے نیل ومرام واپس آنا پڑا۔ مامون کے دربار میں اس کی ناکامی کی بنیادی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے اس نے بدوی لباس پہن کر اپنا قصیدہ پڑھا تھا۔ خلیفہ کو یہ بات کچھ عجیب سی لگی ایک دیہاتی، شہری طرز پر قصیدہ کہے۔

ابوتمام کے نصیب خلیفہ معتصم کے عہد میں جاگتے ہیں کہ انھیں کے عہد میں اسے قبول تام اور شہرت وعزت ملی تھی۔ خلیفہ معتصم کے دربار میں وہ قاضی القضاۃ احمد بن داؤد کے توسط سے پہنچا تھا۔ خلیفہ وقت نے اپنے دربار میں رسائی کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ اس کے ساتھ کوئی خوش الحان روای یا قاری بھی ہوگا کیونہ ابوتمام کی آواز بہت کرخت تھی جو سننے والوں کو بہت گراں گزرتی تھی

خلیفہ معتصم کے دربار سے وابستگی کے بعد اس کی عزت وشہرت کا دور شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس عہد کا سب سے نامور قصیدہ گو شاعر قرار پاتا ہے۔اس نے خلیفہ معتصم کے علاوہ دیگر اکابر امراء، رؤساء اور حکماء جیسے قاضی القضاۃ احمد بن داؤد، خلیفہ معتصم کے سپہ سالا ابوسعید محمد بن یوسف مروزی، اس کا بیٹا یوسف، ابودُلف قاسم عجلی، بغداد کے کوتوال اسحاق بن ابراہیم مصعبی اور حسن بن وہب وغیرہ کی شان میں بھی قصائد کہے تھے۔

ابوتمام کے حوالہ سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ امراء ووالیانِ حکومت کی شان میں قصائد کہنے کے لیے ان کے صوبوں کا سفر کرتا تھا۔ان اسفار میں سے مشہور سفر، سفر نیشاپور ہے جہاں کے والی کا نام عبداللہ بن طاہر تھا۔انعام واکرام کے حوالہ سے والی نیشاپور ابوتمام کے معیار پر کھرا نہ اتر سکا اور نہ ہی وہاں کا سرد موسم اسے راس آیا لہٰذا اس نے بہت جلد وہاں سے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھ لیا لیکن شدید برفباری کی وجہ سے اسے ہمدان میں رکنا پڑا۔ارشادِ خداوندی کے، طابق ہر شر میں خیر کا پہلو شامل رہتا ہے لہٰذا وہاں اس کا رکنا جو اس کے لیے شدید کوفت کا باعث تھا، دائمی شہرت کا سبب بن گیا اور وہ عمدہ ترین مجموعہ انتخاب منظرِ عام پر آیا جو علمی وادبی دنیا میں ''کتاب الحماسۃ'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔

وفات سے دو سال قبل حسن بن وہب نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے اسے موصل کے صاحب البرید والخبر کے عہدہ پر فائز کروادیا۔اسی عہدہ پر فائز رہتے ہوئے ابوتمام کا انتقال ہوا تھا۔پیدائش کی طرح اس کی تاریخ وفات میں بھی معمولی سا اختلاف پایا جاتا ہے۔اس کے بیٹے کے مطابق اس کی وفات 231ھ/ 845ء میں ہوئی تھی جب کہ دیگر مؤرخین کے نزدیک اس کی وفات 2 محرم 232ھ/ 29 اگست 846ء میں ہوئی تھی۔

ابوتمام طویل قد اور سانولے رنگ وروپ کا مالک تھا۔وہ عام طور دیہاتی لباس پہنتا تھا حتیٰ کہ وہ خلفاء کے دربار میں بھی اسی لباس میں بلا کسی جھجھک کے چلا جایا کرتا تھا۔ایک روایت کے مطابق خلیفہ مامون کے دربار میں وہ اپنے روایتی لباس میں حاضر ہوکر ایک قصیدہ اس کی شان میں پڑھا تھا لیکن خلیفہ نے اسے صرف اس بنا پر شرفِ قبولیت سے نہیں نوازا تھا کہ وہ دیہاتی لباس پہن کر شہری زندگی کے آداب واطوار وغیرہ کا ذکر اپنے قصیدہ میں کر رہا تھا۔

ابوتمام کی زبان بہت شستہ اور فصیح تھی لیکن اس کی آواز بہت ہی بدصورت تھی۔ستم بالائے ستم زبان میں کسی حد تک لکنت بھی پائی جاتی تھی۔اس کی آواز اس قدر خراب تھی کہ سننے والے پر بہت ناخوشگوار اثرات چھوڑتی تھی جس کا اندازہ ابوتمام کو بھی ہو چلا تھا لہٰذا وہ اپنا کلام اپنے روای صالح سے پڑھوایا کرتا تھا۔اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب معتصم نے اسے اپنے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی تو اس شرط پر دی تھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی خوش الحان راوی کو لے کر آئے گا۔

كتاب الحماسة

كتاب الحماسة ابوتمام کا وہ لازوال کارنامہ ہے جس نے اسے شہرتِ دوام بخش دی ہے۔اس انتخاب کی عمدگی اور خوبصورتی پر تمام ناقدین ومؤرخین ادب متفق ہیں۔اس انتخاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ابوتمام کے شاعرانہ کمالات وامتیازات کو پس پشت ڈال دیا کہ جب کبھی بھی ابوتمام کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں جو خیال سب سے پہلے ابھرتا ہے وہ اس کی شاعری کے بجائے اس کے انتخاب کا ہوتا ہے۔

اس انتخاب کے مرتب ہونے کا ایک پس منظر بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ نیشاپور کے والی عبداللہ بن طاہر کے دربار سے بے نیل ومرام واپس جارہا تھا تو ہمدان کے مقام پر اسے شدید برفباری کا سامنا کرنا پڑا اور اسے وہاں غیر ارادی طور پر رکنا پڑا۔وقت گذاری کے لیے اس نے ابوالوفاء بن سلمہ کے کتب خانہ میں موجود کتابوں خاص طور سے عربی دواوین کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔دورانِ مطالعہ جو اشعار اسے اچھے اور عمدہ محسوس ہوئے، انھیں الگ سے لکھ لیا۔وقت گذاری کے لیے کیا جانے والا یہ کام اس کی شہرت کا بنیادی سبب بن گیا کہ تمام مؤرخین وناقدین ادب اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا شعری ذوق، اس کی شاعری سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

كتاب الحماسة کے علاوہ بھی اس نے دیگر مجموعۂ انتخاب مرتب کیا تھا جن میں كتاب الحماسة الصغرى یا كتاب الوحشيات اور اختيار الشعراء الفحول وغیرہ شامل ہیں لیکن انھیں كتاب الحماسة کی طرح شہرت نصیب نہ ہوسکی۔

شاعری

ابوتمام کا شمار عصرِ عباسی کے ممتاز ترین شعراء میں ہوتا ہے تاہم اس کی شاعری اور اس کے معیار ومرتبہ کے متعلق ناقدین ادب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابوتمام کا شمار بھی ان چند عرب شعراء میں ہوتا ہے جن کے کلام کی قدر وقیمت اور معیار ومرتبہ کے تعین کا آغاز ان کی زندگی میں ہی کیا جاچکا تھا جس کا سلسلہ اس کی وفات کے بعد مدتوں تک چلتا رہا۔ایک گروپ کے مطابق اس کی شاعری کا اکثر حصہ غیر معیاری ہے۔عصرِ عباسی کے ہی ایک شاعر دعبل کے مطابق ابوتمام کے کلام کا ایک تہائی حصہ سرقہ پر مبنی ہے، ایک تہائی حصہ خراب ہے اور ایک تہائی حصہ اچھا ہے۔اس رائے کے بالمقابل اس کے شاگرد رشید بحتری کی رائے یہ ہے کہ استاد کا بہترین کلام شاگرد کے بہترین کلام سے بہتر، اور شاگرد کا برا کلام استاد کے برے کلام سے بہتر ہے

ابوتمام کے مداحین میں بحتری (م 284ھ/ 898-897ء)، علی بن جہم (م 249ھ)، ابوبکر محمد صُولی مؤلف ''أخبار أبي تمام''، مَرزُوقی (م 421ھ) اور شریف مرتضی جیسے افراد شامل ہیں تو اس کے مخالفین اور ناقدین کی فہرست میں دعبل، احمد بن عبیداللہ قطربلی اور مَرزُوبانی (م 384ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان دونوں گروپ کے مقابل ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے ابوتمام کی شاعری کا معروضی انداز میں مطالعہ کیا ہے اور اس کے محاسن و معائب کو اجاگر کیا ہے۔ اس گروپ میں مشہور ناقد آمدی (م 381ھ) کا نام بطور خاص لیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کا موضوع اور محور ابوتمام کی شاعری کو بنایا تھا اور اپنے مطالعہ کا حاصل ''الموازنة بين الطائيين أبي تمام والبحتری'' کے نام سے پیش کیا تھا۔ آمدی کے علاوہ قاضی ابوالحسن علی جرجانی (م 366ھ/ 977-976ء) نے بھی اپنی کتاب ''الوساطة بين المتنبي وخصومه'' میں ابوتمام کی شاعری کے محاسن و معائب بیان کیے ہیں۔

ابوتمام کا شمار شعراء مبدعین میں ہوتا ہے کی اس کی شاعری میں صنائع شعری کا وافر حصہ پایا جاتا ہے جسے اس کی شاعری کا بنیادی وصف بھی قرار دیا جاتا ہے اور اسی پر اس کی شہرت مبنی ہے۔ اس کی شاعری کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری میں فلسفیانہ افکار و آراء کو پیش کر کے اس میں گہرائی اور گیرائی پیدا کی تھی جس سے اس وقت تک کی عربی شاعری کا دامن خالی تھا۔ سید احتشام احمد ندوی نے اس کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''ابوتمام کے یہاں یونانی فلسفہ کی عظمت اور گہرائی ہے، فکر کی بلندی ہے، تخیل کی رعنائی ہے مگر یہ کیفیت بحتری کے یہاں مفقود ہے۔ پہلی بار ابوتمام نے شاعری کو فلسفے سے رنگین بنایا ہے، اس کے نئے نئے آفاق دکھائے ہیں۔ ابوتمام نے عربی شاعری کے بدویانہ انداز کو چھوڑ دیا ہے اور اپنا نیا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اس نے فلسفے کے ذریعہ شاعری میں گہرائی پیدا کی ہے جس سے عربی شاعری کا دامن خالی تھا''۔

اس کی شاعری کے معائب میں نامانوس الفاظ، پرتصنع اور نہایت پیچیدہ ترکیب کا استعمال، مجرد تصورات کو مجسم شکل میں پیش کرنا، مصنوعی، دوراز کار اور غیر دل نشیں استعارات کا استعمال، رعایت لفظی اور مشکل سے سمجھ میں آنے والے تقابل سے کام لینے کا رجحان وغیرہ شامل ہیں۔ مؤخر الذکر رجحان کی وجہ سے وہ متعدد اشعار میں جملہ کی فصاحت اور دل کشی کو بھی قربان کر دیتا ہے۔

ابوتمام کی شاعری کی اہمیت وقدر و قیمت کا اندازہ اس کے دیوان کی ترتیب وتدوین سے کیا جاسکتا ہے کہ صولی نے اس کے دیوان کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا تھا تو علی بن حمزہ اصفہانی نے اسے مضامین و موضوعات کے لحاظ سے مرتب کیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ دیگر افراد- جیسے سُکری- نے بھی اس کے اشعار کی روایت کی ہے

ابوتمام کی شاعری کس قدر پیچیدہ اور مشکل تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے دیوان کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن کا ذکر حاجی خلیفہ اور اسماعیل پاشا نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے جیسے صولی، مرزوقی، تبریزی اور مُستَوفی وغیرہ کی شرحیں جن میں سے کچھ طبع ہو چکی ہیں اور کچھ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔

ابوتمام کی شاعری کے محاسن و معائب سے قطع نظر اس کی شاعری میں بعض اہم تاریخی واقعات محفوظ ہو گئے ہیں جو ان واقعات و حوادثات کی آنکھوں دیکھی تصویر کشی ہے جیسے فتح عموریہ، بابک کے خلاف بپا کی جانے والی مہمات اور اس کا قتل، افشین نامی سپہ سالار کا قتل وغیرہ۔ ان قصائد کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس سے استشہاد کرتے ہوئے تاریخی واقعات قلم بند کیے ہیں۔

5.7.5 بحتری

عربی ادب کی تاریخ میں، خصوصا شاعری کے حوالہ سے عہد عباسی کے نامور شاعر بحتری کو اپنے شاعرانہ کمالات و امتیازات کی وجہ سے ایک قابل ذکر مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ اس کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عہد کے ایک نامور شاعر- ابوتمام- کا شاگرد تھا جس نے اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جلا بخشی تھی۔ عصر عباسی کے شعراء میں غالبا بحتری کی شخصیت ایسی ہے جس نے اپنے عہد کے کسی نامور شاعر کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابونواس نے بھی اپنے عہد کے ایک بڑے شاعر- والبہ بن حباب- کی شاگردی اختیار کی تھی لیکن عربی ادب کی تاریخ میں بحیثیت شاعر اسے وہ مقام و مرتبہ نہ مل سکا جو ابوتمام کو حاصل تھا یعنی جب بھی عہد عباسی کے ممتاز ترین شعراء کی فہرست تیار جائے گی تو کسی بھی لحاظ سے ابوتمام کا نام نامی اس فہرست میں شامل ہوگا لیکن والبہ بن حباب کا نام اس فہرست میں درج نہیں ہو سکے گا۔

بحتری کا پورا نام ابوعبیدہ ولید بن عبیداللہ طائی ہے لیکن شعر و ادب کی دنیا میں وہ صرف بحتری کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس نسبت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کا تعلق قبیلہ بنوطی کی ایک شاخ ''خانوادۂ بحتر'' سے تھا۔ پروفیسر سید احتشام احمد کے قول کے مطابق بحتر اس کی دادا کا نام ہے۔ اسی نسبت سے وہ بحتری کہلاتا ہے۔ اس کی پیدائش 206ھ/ 821ء میں بمقام مَنبِج میں ہوئی تھی۔ بعض روایات کے مطابق اس کی پیدائش حُرُدفنہ کے نواح میں ہوئی تھی۔

بحتری کی ابتدائی زندگی پردۂ خفا میں ملفوف ہے۔ مصادر سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ اس نے اپنی سرزمین اور قبیلہ سے رشتہ کو ہمیشہ برقرار رکھا اور اسے کبھی بھی ٹوٹنے نہیں دیا یہی وجہ ہے کہ اس کی ابتدائی شاعری کا محور و مرکز اس کا اپنا قبیلہ تھا۔ قبیلہ کی مدح شاعری کا دوران 226-223ھ/ 841-838ء یعنی تقریبا تین سال پر محیط

ہے۔قبیلہ کی تعریف وتوصیف کے دوران ہی اسے اپنا اولین مربی-ابوسعید یوسف بن محمد معروف بہ ثغری-ملا جو اتفاق سے ایک طائی سپہ سالار تھا۔اسی کے گھر پر اس کی ملاقات ابوتمام سے ہوئی اور وہ اس کی خداداد شاعرانہ صلاحیتوں کو بھانپ کر اسے مزید اجاگر کرنے میں مصروف ہوگیا۔ابوتمام کی سفارش پر ہی معرۃ النعمان کے مشاہیر نے اسے اپنا ثنا خواں بنایا تھا اور چار ہزار درہم اس کا وظیفہ مقرر کیا تھا لیکن اس عہد کی شاعری کا کوئی بھی حصہ سوئے اتفاق سے محفوظ نہ رہ سکا۔

معرۃ النعمان کے مشاہیر کے بعد ابوتمام کی ہی کوششوں سے اسے عراق کے والی مالک بن طوق کے دربار میں رسائی ملی، وہاں سے وہ اپنے استاد کی معیت میں بغداد پہنچا جہاں اس نے مشاہیر فضلا خصوصا ابن الاعرابی کے حلقۂ دروس سے کسب فیض کیا۔ساتھ ہی ساتھ دربار خلافت میں حاضری کے آداب سیکھنے پر بھی اپنی توجہ مبذول کی تا کہ وہاں تک رسائی آسان ہوسکے۔دربار خلافت میں باریابی کے لیے اس نے عباسی امراء اور اصحاب اثر ورسوخ کی مدح سرائی کی لیکن اپنی کوششوں کے باوجود وہ دربار خلافت میں براہ راست باریابی حاصل نہ کرسکا۔جن عباسی امراء اور اصحاب اثر ورسوخ کی شان میں اس نے مدحیہ قصائد لکھے تھے ان میں ابن زیات اور ابونہشل قابل ذکر ہیں۔اول الذکر کے دربار میں جب اسے خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی تو وہ مؤخر الذکر کی مدح سرائی میں مصروف ہوگیا۔یہ اتفاق کی بات ہے کہ ابونہشل کے خاندان ''بنوحُمید'' کا تعلق قبیلہ بنوطی سے ہی تھا۔ابونہشل کی مدح خوانی کے بعد اس نے بغداد سے 230ھ/ 844ء میں رخت سفر باندھ لیا اور موصل جا پہنچا اور اپنے اولیں مربی سپہ سالار ثغری کے دربار سے دوبارہ وابستہ ہوگیا جو اس وقت موصل میں قیام پذیر تھا۔

خلیفہ متوکل کے مسند خلافت پر براجمان ہونے کے بعد وہ دوبارہ بغداد جا پہنچتا ہے اور ابن نجم کی سفارش پر اس رسائی فتح بن خاقان کے دربار میں ہوجاتی ہے اور فتح بن خاقان کی سفارش پر اسے دربار خلافت میں باریابی کا شرف حاصل ہوجاتا ہے اور اس کی زندگی کا سب سے تابناک اور خوش گوار دور کا آغاز ہوتا ہے۔دربار خلافت سے منسلک رہتے ہوئے بحتری نے مختلف امراء اور عمائدین سلطنت کی شان میں مدحیہ قصائد کہے ہیں تاہم اس کے اوقات کا معتد بہ حصہ دربار خلافت میں ہی گذرتا تھا۔اس نے جن امراء کی مدح سرائی کی ہے ان میں سب سے نمایاں نام وزیر فتح بن خاقان کا ہے۔ان کے طویل تعلقات میں کبھی کبھی سرد مہری آجاتی تھی تاہم مجموعی طور پر ان کے تعلقات بہت بہتر رہے اور اس نے فتح بن خاقان کی شاعری میں کئی ایک مدحیہ قصائد کہے۔ان دونوں کے بہتر اور خوشگوار تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بحتری نے اپنے منتخب کردہ مجموعہ اشعار ''کتاب الحماسة'' کو فتح بن خاقان کے نام معنون کیا تھا۔فتح بن خاقان کے علاوہ اس نے دوسرے وزیر احمد بن خصیب کی شان میں بھی مدحیہ قصائد کہے ہیں لیکن اس کی افتاد طبع کے پیش نظر اس پر یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے کہ اس ہی کے اکسانے پر خلیفہ مستعین باللہ نے اسے قتل کرادیا تھا۔

بحتری کا شمار ان شعراء میں ہوتا ہے جو وقت کے حساب سے اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں اور خلفاء کی ہاں میں ہاں ملانا اپنا اولیں فرض منصبی سمجھتے ہیں چاہے وہ ان کے ذاتی افکار وخیالات سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔اس خصوصیت کی بنا پر بحتری کو دربار خلافت میں کافی اثر ورسوخ حاصل تھا اور خلفاء کے ساتھ اس کے تعلقات نہ صرف بے تکلفانہ تھے بلکہ انھیں اس پر کافی اعتماد بھی تھا۔وہ ہر حال میں سرکاری حکمت عملی کی تائید کرتا تھا جس کی وجہ سے خلفاء کی نگاہوں میں اس کا مقام ومرتبہ بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا۔سرکاری پالیسی کی وہ ہر حال میں تائید کرتا تھا جس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کا ذہنی میلان اور رجحان شیعیت کی طرف تھا لیکن اپنے فطری میلانات ورجحانات کو ایک طرف رکھتے ہوئے وہ زندگی بھر عباسیوں کے فضائل اور ان کے حقوق کا برملا اور برسر عام اعلان کرتا رہا۔

بحتری نے کافی طویل عمر پائی تھی اسی لحاظ سے دربار خلافت سے وابستگی کا دورانیہ بھی طویل ہوجاتا ہے۔دربار خلافت سے اس کے روابط کا آغاز خلیفہ متوکل علی اللہ (232-247ھ/ 847-861ء) کے عہد سے ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ خلیفہ معتضد باللہ (279-289ھ/ 892-902ء) کی وفات پر ہوتا ہے۔تقریبا پچاس کے اس طویل دورانیہ میں اس نے مذکورہ بالا دونوں خلفاء کے علاوہ مستنصر باللہ (247-248ھ/ 861-862ء)، مستعین باللہ (248-251ھ/ 862-865ء)، معتز باللہ (251-255ھ/ 865-869ء)، مہتدی باللہ (255-256ھ/ 869-870ء)، معتمد علی اللہ (256-279ھ/ 869-892ء) اور معتضد باللہ (279-289ھ/ 892-902ء) کی شان میں مدحیہ قصائد کہے اور دربار خلافت سے اپنا تعلق برقرار رکھا۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ دربار خلافت سے وابستگی کا یہ طویل دورانیہ ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہا۔کسی خلیفہ کی نگاہ میں اس کی قدر ومنزلت بہت زیادہ تھی اور اسے ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل تھا تو دوسرے خلیفہ کی نگاہ میں اسے وہ مقام ومرتبہ حاصل نہیں تھا مثال کے طور پر خلیفہ معتز باللہ کے عہد میں اسے کافی شہرت وعزت ملی، اس کے مقابلے میں خلیفہ معتمد علی اللہ کے زمانہ میں اس کی شہرت ماند پڑ گئی تھی اور اس کی مالیاتی پالیسی کی وجہ سے اس کی جانب مال ودولت کے بہاؤ میں بھی کافی حد تک کمی آگئی تھی تاہم اس اتار چڑھاؤ کے باوجود مجموعی طور پر عباسی دربار خلافت میں اس کی قدر ومنزلت برقرار رہی اور وہ خلفاء کی نگاہِ الفت ومحبت سے مستفیض ومستفید ہوتا رہا۔

دربار خلافت سے اس طویل وابستگی کے دورانیہ میں کبھی کبھار عدم وابستگی کا وقفہ بھی آتا رہا ہے لیکن اس کی مدت بہت تھوڑی اور مقدار بہت کم ہے۔اس طویل دورانیہ میں اس پر کئی ایک الزامات بھی عائد کئے گئے ہیں جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ متوکل علی اللہ اور اس کے وزیر فتح بن خاقان کے قتل میں کسی نہ کسی حد تک اس کا بھی ہاتھ تھا اور اسی وجہ

سے وہ ان کے قتل کے بعد اپنے وطن منبج میں جا بسا تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ خلیفہ متوکل علی اللہ کے جانشین خلیفہ مستنصر باللہ کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھ کر دربار خلافت میں اپنی دوبارہ آمد کا اندارج کچھ اس طرح سے کراتا ہے کہ اس پر عائد کردہ الزام بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

بحتری نے کچھ ایسا مزاج پایا تھا کہ وہ ہوا کے رخ کو پہچان لیتا تھا اور اسی کے مطابق اپنے مدحیہ قصائد کو خلفاء کے سامنے پیش کرتا تھا مثلاً خلیفہ معتز باللہ کی شان میں کہے گئے قصائد سے اس وقت کی سخت بدامنی واضطراب اور خونچکاں حالات کا اندازہ ہوتا ہے لیکن وہ اس کے جانشیں خلیفہ مہتدی باللہ کا اپنے قصائد میں کچھ اس طرح استقبال کرتا ہے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے اور عباسی حکومت کے زیر مملکت علاقوں کے حالات بہت ہی خوش گوار اور اچھے ہیں۔اس کی اسی صلاحیت کی بنا پر تقریباً تمام خلفاء اسے اپنا معتمد اور وفادار سمجھتے تھے۔

دربار خلافت سے وابستگی کے خاتمہ کے بعد اس نے بغداد کو خیر آباد کہہ دیا اور کچھ عرصہ تک وہ خُمارویہ بن طولون کے دربار سے منسلک رہا لیکن زندگی کے آخری مراحل میں وطن کی محبت اور کشش نے اسے ایک بار پھر منبج کو مسکن بنانے اور قیام پذیر ہونے پر کچھ اس طرح ابھارا کہ وہ امراء وحکمرانوں کے درباروں کو چھوڑ کر وہاں جا بسا اور زندگی کی آخری سانس تک وہیں قیام پذیر رہا یہاں تک کہ سنہ 284ھ/ 898-897ء میں ایک طویل بیماری کے بعد اس کی وفات ہو جاتی ہے۔

بحتری نے کافی طویل عمر پائی تھی اور شعروشاعری کے میدان میں ایک طویل عرصہ داد سخن حاصل کرتا رہا۔اس کا دیوان پہلی مرتبہ قسطنطنیہ سے 1882ء میں شائع ہوا تھا۔اس کے بعد 1911ء میں مصر و بیروت سے شائع ہوا۔ماضی قریب میں بھی اس کا دیوان شائع ہوتا رہا ہے لیکن بقول مقالہ نگار دائرۃ المعارف اردو یہ سب نسخے ناقص اور نامکمل ہیں اور ابھی بھی اس کی ضرورت پائی جاتی ہے کہ اس کے دیوان کے مختلف نسخوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا ایک مکمل دیوان مرتب کیا جائے۔

بحتری کے دیوان کی ایک شرح عہد عباسی کے مشہور شاعر ابوالعلاء معری نے ''عبث الولید'' کے نام سے لکھی تھی۔

بحتری نے اپنے دیوان کے علاوہ دیگر علمی وادبی سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے جیسے اس نے بھی اپنے استاد کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف منتخب اشعار کا مجموعہ تیار کیا تھا بلکہ اس کا نام بھی ''کتاب الحماسة'' ہی رکھا تھا لیکن اسے وہ شہرت ومقبولیت نہ مل سکی جو ابوتمام کی ''کتاب الحماسة'' کو ملی تھی۔بحتری نے اپنی ''کتاب الحماسة'' میں اشعار کو ان کے مطالب کے اعتبار سے مرتب کیا تھا جب کہ ابوتمام نے اپنی ''کتاب الحماسة'' کو اصناف کے اعتبار سے مرتب کیا تھا۔غالباً اس کی عدم مقبولیت کا ایک سبب اس کی ترتیب بھی ہے۔

''کتاب الحماسة'' کے علاوہ بحتری کی جانب ایک اور کتاب ''معانی الشعر'' یا ''معانی الشعراء'' کو منسوب کیا جاتا ہے جو زمانہ کے دست وبرد کا شکار ہو چکی ہے۔

اخلاق وکردار

بحتری کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اخلاق وکردار کے اعتبار سے اس کی شخصیت میں کافی کجی پائی جاتی تھی۔اس کے اندر اپنے مطلب ومقصد کو حاصل کرنے کی تڑپ پائی جاتی تھی خواہ اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔منفعت ذات،حرص اور طمع نے اس کے اندر ایک خاص قسم کی ریاکاری پیدا کر دی تھی کہ وہ ہوا کا رخ بھانپتے ہوئے ممدوح کی تعریف وتوصیف کرتا تھا چاہے وہ اس کے عقیدے اور افکار وخیالات سے متصادم ہی کیوں نہ ہو جیسے شیعیت کی طرف مائل ہونے کے باوجود وہ ساری عمر عباسی خلفاء کی تعریف وتوصیف کرتا رہا اور انھیں ہی خلافت وبادشاہت کا صحیح حقدار اور مستحق گردانتا رہا۔ملک ومعاشرے کے خراب ترین حالات کے باوجود وہ خلفاء کی مدح سرائی میں یوں گم ہو جاتا ہے کہ گویا پوری مملکت عباسیہ میں راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔

اس کی اخلاقی کج روی اور احسان فراموشی کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے اس نے اپنے استاد ابوتمام کی تمام تر عنایات ومحبتوں کے باوجود ان کا ذکر کبھی بھی اپنے اشعار میں نہیں کیا حتی کہ ان کی وفات پر نہ ہی اسے کسی قسم کا غم محسوس ہوا اور نہ اس واقعہ نے اس کے جذبات میں ہلچل نہیں پیدا کی کہ چند اشعار ہی بطور مرثیہ کہہ دیے ہوتے۔اسی طرح اس پر یہ الزامات بھی عائد کیے جاتے ہیں کہ اس نے اپنے ممدوحین- جیسے خلیفہ متوکل علی اللہ،عباسی وزراء فتح بن خاقان اور احمد بن خصیب- کا خون ناحق بہانے میں قابل ذکر رول ادا کیا تھا۔

پروفیسر سید احتشام احمد ندوی کے بقول وہ بہت بخیل بھی تھا اور صفائی ستھرائی کا بالکل خیال نہیں رکھتا تھا اور ہمیشہ گندے کپڑے پہنتا تھا۔اشعار پڑھتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتا تھا جیسے اپنی داڑھی کو بار بار پکڑنا اور گول گول گھومنا وغیرہ۔

شاعری

بحتری کا شمار عصر عباسی کے اہم ترین شعراء میں ہوتا ہے۔قبل اس کے کہ اس کی شاعری کے امتیازات وخصوصیات کا ذکر کیا جائے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ابوتمام کی طرح بحتری کو بھی اس لحاظ سے خوش قسمت شاعر قرار دیا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری کی قدر و قیمت کا تعین اور اس مطالعہ ان کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔ یہ مطالعہ ان دونوں کے مابین موازنہ پر مشتمل ہے گویا استاد اور شاگرد دونوں اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ ان کی شاعری کے مطالعہ کا آغاز ان کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا۔ ان دونوں کے مقام و مرتبہ کے تعین میں ناقدین ادب کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے جس کی کسی قدر تفصیل ابوتمام کے ترجمہ میں بیان کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف اس بات کا اعادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ استاد و شاگرد کے مقام و مرتبہ کو عصر عباسی کے مشہور ناقدین جیسے آمدی (م 381ھ) اور قاضی ابوالحسن علی جرجانی (م 366ھ/ 976-977ء) نے بالترتیب اپنی اپنی کتابوں میں ''الموازنة بين الطائيين أبي تمام والبحتری'' اور ''الوساطة بين المتنبي و خصومه'' ان کی شاعری کے محاسن و معائب بیان کرتے ہوئے کیا ہے۔

غالباً بحتری عہد عباسی کا وہ شاعر ہے جس نے خالصتاً عربی شاعری کی ہے اور اپنی شاعری کو اس وقت کے جدید چلن اور ماحول سے صاف صاف بچا لیا ہے کہ اس کی شاعری میں زمان و مکان کے اثرات نہ کے برابر ملتے ہیں۔ بحتری کے شاعرانہ مقام و مرتبہ کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام احمد ندوی نے اسے اس کی عقلیت اور فکر کے لحاظ سے ایک خالص عرب اور بڑا شاعر قرار دیا ہے جس نے نہ ہی اپنے دور کے یونانی اثرات قبول کیے تھے اور نہ ہی اس کے کلام میں فلسفہ کی آمیزش پائی جاتی ہے لیکن اس کے کلام میں عمدہ معانی کی فروانی پائی جاتی ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ حسن الفاظ کا امام بھی ہے۔ اس کے کلام میں الفاظ کی شیرینی، فصاحت و بلاغت، اسلوب بیان اور معانی و مضامین میں دلکشی پائی جاتی ہے۔ مدح اور وصف جیسے اصناف سخن میں اس کا مقام بہت بلند ہے کہ وہ عمدہ قسم کی تشبیہات کا استعمال کرتا ہے۔ اس کا کلام پہلی نظر میں سادہ اور آسان معلوم ہوتا ہے لیکن وہ سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے کہ اس کے معانی و مطالب تک نہ ہی پہنچنا آسان ہے اور نہ ہی اس کے اسلوب کی پیروی کرنا سہل ہے۔

بحتری کی شاعری کے مختلف ادوار ہیں۔ اولیں دور میں وہ صرف فخریہ شاعری کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جونہی دربار خلافت/ دربار امراء و عمائدین سلطنت سے منسلک ہوتا ہے اس کی شاعری قصیدہ خوانی پر سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ اس نے اپنے مدحیہ قصائد کو قدیم عرب شعراء کی پیروی اور تتبع کرتے ہوئے انھیں تشبیب، گریز اور اصل موضوع میں تقسیم کیا ہے۔ تاہم اس نے اپنے آخری زمانہ کی شاعری میں اس اسلوب کو ترک کر دیا تھا اور اپنے ممدوحین کی رسمی تصویریں کھینچتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے قصائد کی ایک خاص بات محلات شاہی کے اوصاف و خصوصیات کو الفاظ کے قالب میں پیش کرنا ہے جس کی وجہ سے اس کے قصائد کے اسلوب بیان میں ایک خاص قسم کا نکھار اور زور پیدا ہو گیا ہے۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف اس کا بنیادی سبب شاعرانہ تصویر کشی اور جزئیات کا وہ نفیس شعور ہے جس میں بحتری کا کوئی حریف نہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے وصف میں کوئی جدت نہیں پائی جاتی ہے لیکن سہل اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے اشعار میں ایک ترنم اور آہنگ پیدا کر دیتا ہے جو اسے دیگر شعراء سے ممتاز اور منفرد بنا دیتا ہے۔

مدح اور وصف کے علاوہ عربی شاعری کے دیگر اصناف سخن میں سے اس نے مرثیہ اور ہجو میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ مرثیہ میں بھی اسے کمال حاصل تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین شعراء کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب نظر آتا ہے لیکن ہجو کے میدان میں اسے کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں ہے کہ ہجویہ اشعار، اس کی مدح کا ایک ضمنی حصہ ہوتے تھے۔ اس کے ہجویہ اشعار ان شخصیات کے متعلق ہیں جنھوں نے اس کی ناقدری کرتے ہوئے اسے انعامات و اکرامات سے نہیں نوازا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے بستر مرگ پر اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ اس کے دیوان سے ہجویہ اشعار کو نکال دیا جائے۔

بحتری کی شاعری بھی دیگر عباسی شعراء کی طرح ایک دستاویزی حیثیت کی حامل ہے کہ اس نے اپنی شاعری میں اپنے عہد کے متعدد واقعات کو قلم بند کر کے انھیں محفوظ کر دیا ہے۔ اس کے دیوان میں بعض سیاسی حقائق و واقعات کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے جیسے دمشق و حمص کی بغاوت (236ھ/ 850ء اور 240ھ/ 854ء بالترتیب)، ارمینیہ کا فساد و شورش (237ھ/ 851ء)، خلیفہ متوکل کا سفر بغداد (244ھ/ 858ء) اور المتوکلیہ کی تعمیر (246-245ھ/ 860-859ء) وغیرہ۔ بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف اس کے دیوان کو اس عہد کے واقعات کا ایک تکملہ قرار دیا جاسکتا ہے جس میں کچھ ایسی مفید اور کارآمد معلومات ملتی ہیں جن کا ذکر عام طور پر مؤرخین نے نہیں کیا ہے جیسے مشاہیر کا پورا اور مکمل نام، یادگار عمارتوں کا ذکر اور بعض حوادث و واقعات وغیرہ۔

5.7.6 متنبّی

عصر عباسی کے چند نمایاں ترین شعراء میں متنبّی کا شمار ہوتا ہے۔ عربی شاعری میں متنبّی کو وہی مقام و مرتبہ حاصل ہے جو اردو شاعری میں اقبال و غالب کو حاصل ہے۔ متنبّی کا پورا نام ابوالطیب احمد بن حسین جُعفی کندی ہے لیکن دنیائے ادب میں ''متنبّی'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

متنبّی کی پیدائش کوفہ کے ایک محلّہ ''کندہ'' میں 303ھ/ 915ء میں ہوئی تھی۔ خاندانی حالات اچھے نہیں تھے۔ غربت کے سائے میں بچپن کا کچھ حصہ وہیں گزرا اور ابتدائی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ بچپن سے ہی اس کی ذہانت و ذکاوت اور قوی حافظہ کے چرچے عام ہونے لگے تھے اور شاعرانہ مذاق اور مزاج کے مظاہر سامنے آنے لگے تھے۔ قرامطہ کی لوٹ مار اور ظلم و زیادتی کی وجہ سے اس کے خاندان کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا اور تقریباً دو سال تک انھیں ''سماوہ'' کے مقام پر قیام کرنا پڑا۔ یہ شہر میں خبر کا پہلا شاہل ہوتا

ہے۔ متنبّی کے خاندان کی یہ دربدری اس کے لیے رحمت بن گئی کہ اسے بدوی عربوں کے ساتھ ایک عرصہ تک وقت گزارنے کا موقعہ ملا جس نے اس کو عربی زبان کا وسیع علم حاصل کرنے کا موقعہ فراہم کر دیا تھا۔ اس خوش بختی پر وہ تاحیات نازاں وفرحاں رہا۔

متنبّی کی زندگی میں بہت اتار چڑھاؤ آئے ہیں کبھی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے تو کبھی ناکامی اس کے ہاتھ لگتی ہے۔ اس کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی معمولی معمولی کامیابیوں سے مطمئن نظر نہیں آتا ہے اور اسے اپنے اس نظریہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ایک بلند اور اہم مقام حاصل کر لے گا لہٰذا ایک زمانہ میں وہ شاعری کو خیرآباد کہہ کر باغی اور سرکش افراد کے ساتھ جاملتا ہے۔ یہاں بھی ناکامی اس کی راہ دیکھ رہی تھی لہٰذا قید وبند اس کا مقدر ٹھہرے۔ دوسال کی قید وبند سے چھٹکارا معافی کے بعد ملتا ہے اور اسے اپنے پرانے نظریہ پر دوبارہ واپس آنا پڑتا ہے کہ اپنا مقصد زندگی شاعری کے ذریعہ ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسی بغاوت اور گمرہی کے دور میں اس پر یہ الزام بھی لگ جاتا ہے کہ اس نے نبوت کا دعوی کیا تھا۔ یہ الزام حالانکہ غلط ہے جس کے شواہد اس کے دیوان میں بھی موجود ہیں لیکن اسی الزام نے ہی اسے دوام بخش دیا کہ وہ اپنے اصل نام کی بجائے ''متنبّی'' کے نام سے مشہور و معروف ہو گیا۔

بغاوت کے بعد جب اس نے شاعری کو دوبارہ ذریعۂ اکتساب بنایا تب بھی اسے خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی، وہ برسوں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا یہاں تک کہ اسے سیف الدولہ کے دربار میں رسائی حاصل ہوگئی۔ بغاوت کے بعد کا اس کی شاعری کا دورانیہ 325 تا نصف 329ھ/ 937-940ء پر مشتمل ہے۔ اس دوران اس نے انطاکیہ، دمشق اور حلب وغیرہ کے امراء کی مدح سرائی کی تھی لیکن بدلہ میں اسے خاطر خواہ معاوضہ نہیں ملا تھا تاہم اس کی شہرت کا آغاز گیا تھا۔ اسی زمانہ میں اس نے حاکم دمشق امیر بدر بن عمار خرشنی جیسے افراد کی مدح سرائی بھی کی تھی۔ متنبّی ان کے دربار سے تقریباً ڈیڑھ برس منسلک رہا کہ وہ وہاں کی درباری سازشوں کا شکار ہو گیا اور اسے وہاں سے راہ فرار اختیار کرنی پڑی اور بادیۃ الشام میں پناہ لینی پڑی۔ اس دوران اس کے دل دماغ میں دوبارہ بغاوت کا جذبہ بیدار ہونے لگا لیکن اتفاق سے امیر بدر خرشنی کو کسی کام سے عراق کوچ کرنا پڑا اور وہ اپنی کمین گاہ سے نکل دوبارہ شعر وسخن کے کام میں مصروف ہو گیا۔

زندگی کے آخری دور میں متنبّی کو سیف الدولہ جیسا مربی ملا جس کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد گویا اسے اپنی منزل مقصود مل گئی کہ اس نے اپنی ابتدائی زندگی میں شعر وسخن کے ذریعہ جس مقام کو حاصل کرنے کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر سیف الدولہ کے دربار سے وابستگی کی صورت میں سامنے آئی۔ وہ اس دربار سے تقریباً نو برس منسلک رہا۔ یہی دور اس کی زندگی کا کامیاب ترین دور ہے جس میں اسے عزت، شہرت، دولت اور ایک اعلی مقام ومرتبہ ملا تھا۔

یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ متنبّی اتنے عرصہ تک کسی کے بھی دربار سے منسلک نہیں رہا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس نے سیف الدولہ کے دربار میں جتنا عرصہ گذارا تھا اس کا چوتھائی حصہ بھی وہ کسی بھی امیر کے ساتھ نہ گذار سکا۔ اس طویل رفاقت میں جتنا متنبّی کی خوش بختی کا دخل ہے اس سے کہیں زیادہ سیف الدولہ کی نظر کرم، حسن اخلاق اور داد ودہش کا دخل ہے کہ اس نے متنبّی کے مخالفین کی باتوں کو ایک عرصہ تک قابل اعتناء نہیں سمجھا لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا توں توں مسلسل شکایتوں اور ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں سیف الدولہ کے متنبّی کے تئیں خیالات میں تبدیلیاں رونما ہوتی گئیں حتی کہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ یہ بدگمانی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ متنبّی کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کے حوالہ سے خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے لہٰذا وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان بچانے کی خاطر مصر کے شہر فسطاط میں پناہ لیتا ہے اور وہاں کے امیر کافور اخشیدی کے دربار سے منسلک ہو جاتا ہے جس نے اسے صیدا کا حاکم بنانے کا وعدہ کیا تھا لیکن اس نے اپنے وعدہ کو پورا نہیں کیا تو متنبّی کا دل اس سے کھٹا ہو گیا اور وہ کافور اخشیدی کے ساتھ نباہ نہ کر سکا اور بہت جلد اس کی سخت ہجو کر کے وہاں سے بھاگ نکلا اور سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے عراق جا پہنچا اور بغداد میں قیام پذیر ہو گیا۔ دوران قیام اس نے وزیر مہلبی کے دربار سے منسلک ہونے اور اس کی نگاہ کرم کو حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس دربار سے وابستہ کچھ مصاحبین -جن میں ابن الحجاج اور کتاب الاغانی کے مصنف ابوالفرج اصفہانی جیسے لوگوں کا نام بھی شامل ہے- کی وجہ سے ناکام ہو جاتا ہے۔

وزیر مہلبی کے دربار سے وابستگی کی کوشش کی ناکامی کے بعد اسے ارجان نامی علاقہ کے بویہی وزیر ابن العمید کی سرپرستی حاصل ہوگئی اور اس کی مدح میں متنبّی نے چند قصائد بھی کہے لیکن جلد ہی وہ شیراز منتقل ہو جاتا ہے کہ وہاں کے سلطان عضدالدولہ نے اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ کچھ دن وہ اس کے دربار سے وابستہ رہا اور اس کی مدح میں متعدد قصائد کہے۔ نامعلوم اسباب کی بنا پر اس نے کچھ دنوں بعد شیراز کو الوداع کہہ دیا اور بغداد کا رخت سفر باندھ لیا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی دیر العاقول نامی مقام پر لٹیروں نے اس پر حملہ کر اسے اور اس کے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کا سارا مال ومتاع لوٹ لیا۔ اس حادثہ میں اس کے دیوان کے مسودے بھی ضائع ہو گئے۔

شاعری کا آغاز

''سماوہ'' سے واپسی کے بعد اس نے شاعری کی طرف مزید توجہ دینی شروع کر دی۔ اس زمانہ کے چلن اور رواج کے مطابق متنبّی بھی شاعری کو ذرائع آمدنی کا ایک اہم ذریعہ سمجھتا تھا لہٰذا اس نے بھی اس رائج الوقت کے مطابق ابوالفضل کوفی کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کر دیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ

متنبّی کے مذہبی اور فلسفیانہ نظریات وخیالات پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا تھا۔

متنبّی اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ دنیا کو اپنی فطری شاعرانہ صلاحیتوں سے زیر کر لے گا لیکن اس کی خوش فہمی، خوش فہمی ہی رہی اور حقیقت کا روپ اختیار نہ کر سکی حتی کہ وہ سیف الدولہ کے دربار سے منسلک ہو گیا جہاں اسے اپنا گوہر مقصود مل گیا۔ سیف الدولہ کے دربار میں پہنچنے سے پہلے وہ اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو نمایاں کرنے اور اسے ذریعۂ اکتساب بنانے کے لیے وہ ادھر ادھر کے چکر کاٹتا رہا تھا کہ سب سے پہلے وہ کوفہ سے رخت سفر باندھ کر بغداد کے لیے روانہ ہوا تھا جہاں اس نے اپنے ہم وطن محمد بن عبیداللہ علوی کی مدح سرائی کی۔ بعد ازیں وہ شام روانہ ہو گیا جہاں وہ تقریباً دو سال تک قیام پذیر رہا اور ایک غنائی شاعر کی حیثیت سے نمایاں ہوا۔ قیام شام کے دوران اس نے تومنجی شیوخ، طرابلس الشام اور لاذقیہ کے امراء کی شان میں بھی کچھ قصائد کہے تھے۔ بقول مقالہ نگار دائرۃ المعارف ''اس زمانے کا کلام عجلت میں لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور خوبی کے لحاظ سے اوسط درجے کا ہے لیکن اس میں بھی اس کے حقیقی ذہانت کے آثار نمایاں ہے۔ ایک مرثیہ اور بعض فی البدیہ اشعار کے سوا باقی سب نوکلاسیکی رنگ کے قصائد ہیں اور ان میں ابوتمام اور البحتری کا اثر غالب ہے''۔

متنبّی کی شاعری کا دوسرا مرحلہ، اس شاعری کو قرار دیا جاسکتا ہے جو اس نے اپنی بغاوت کے دوران کی تھی۔ اس بغاوت کا منفی پہلو یہ ہے کہ اسے قید و بند سے گذرنا پڑا۔ لیکن اس کا مثبت پہلو یہ ہے اس نے اسے ''متنبّی'' کے نام سے شہرت دوام بخش دی۔ اس دورانیہ کی شاعری میں خیالات میں بہت بیساختگی پائی جاتی ہے بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف ''ابوالطیب کا وہ کلام جو بغاوت کے دوران میں (ہکذا) یا اس سے ذرا پہلے کا ہے خیالات کی بے ساختگی اور آمد کے اعتبار سے نمایاں اور ممتاز نظر آتا ہے۔ وہ نظم کی اشکال میں بلاتکلف تصرفات کرتا ہے۔ اس کا اسلوب بیان پرزور ہے اور یہ اسلوب اس کے سابقہ انداز کے اس کے شخصی کردار کا آئینہ ہے''۔

بغاوت کے بعد کی شاعری کو اس کی شاعری کا تیسرا دور قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور کے اہم مدحیین میں حاکم دمشق امیر بدر بن عمار خرشنی شامل ہے۔ وہ تقریباً ڈیڑھ برس تک خرشنی کے دربار سے وابستہ اور اس کی مدح میں کئی ایک قصائد کو قلم بند کیا۔ اس دور کی شاعری میں کوئی نمایاں بات نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ اس کی شاعری میں ارتقاء کا ایک تسلسل پایا جاتا ہے۔ یہی تسلسل اسے اس کی شاعری کے دوسرے دور سے ممتاز بناتا ہے۔

متنبّی کی شاعری کا چوتھا دور سیف الدولہ کے دربار سے وابستگی یعنی نصف 329ھ/ 940ء سے شروع ہوتا ہے اور اس کا خاتمہ 337ھ/ 948ء پر ہوتا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ سے لے کر اپنی وفات تک کے دورانیہ میں اس نے اپنے چوتھے دور کے طرز پر ہی شاعری کی تھا۔ سیف الدولہ سے وابستگی کے بعد متنبّی نے جو قصائد کہے تھے وہ اس کی شاعری کا اوج کمال ہے۔ اس نے اپنے اشعار میں بہترین انداز واسلوب میں سیف الدولہ کے جنگی معرکوں کی تصویر کشی کی ہے جس سے ایک طرف اس کی قوت مشاہدہ اور اس کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف الفاظ کے استعمال اور اسلوب بیان پر قادر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

متنبّی نے سیف الدولہ کے دربار سے اپنے تعلقات کے خاتمہ کے بعد فسطاط کے والی کافور اخشیدی کے دامن میں پناہ لی تھی اور اس کی شان میں قصائد کہے تھے لیکن ان قصائد کی زبان اور اسلوب بیان سے لگتا ہے کہ وہ بدرجۂ مجبوری کافور اخشیدی کی تعریف کر رہا ہے کہ اس کا دل ابھی تک سیف الدولہ کے دربار میں اٹکا ہوا تھا۔ کافور اخشیدی کی شان میں کہے گئے بعض قصائد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کی تعریف میں نہیں بلکہ اس کی ہجو میں کہے گئے ہیں۔ کافور سے جب اس کا نباہ نہ ہو سکا تو اس نے اس کی سخت ہجو کی اور فسطاط سے بھاگ نکلا اور بویہی وزیر ابن العمید اور شیراز کے حاکم عضدالدولہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا اور ان کی تعریف میں چند قصائد کہے۔

متنبّی کی شخصیت کے نمایاں پہلو

متنبّی کا شمار ان عرب شعراء میں ہوتا ہے جن کے اندر انا، پندار، اپنی ذات کو نمایاں کرنے کا جذبہ، دوسروں سے برتر ہونے کا خمار پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متنبّی اپنے اشعار میں مختلف مواقع پر اپنی ذات وشخصیت کو بہت زیادہ نمایاں کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس دل ودماغ میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ وہ ذہنی طور پر نہ صرف اپنے معاصرین بلکہ متقدمین اور متاخرین سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے جس نے اس کے اندر خود نمائی اور پندار کو پیدا کر دیا تھا۔

عرب شعراء میں متنبّی اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ہے کہ اس کی زندگی میں اس کے چاہنے اور اس کے شاعرانہ کمال کا اعتراف کرنے کا ایک حلقہ اس کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا۔ تاہم بعض لوگ مختلف وجوہات کی بنا پر اس کی عیب جوئی بھی کرتے تھے۔ متنبّی اور اس کے معاصرین کی وفات کے بعد ادبی مذاق رکھنے والوں نے اسے اس عہد کا سب سے بڑا شاعر تسلیم کر لیا کہ متنبّی کا نام ''شاعر عظیم'' کا مترادف سمجھا جانے لگا۔

'معانی آفرینی، ادائیگی کا خوب صورت انداز، اسلوب بیان کی جدت اور انوکھا پن، نادر تشبیہات واستعارات کا سلیقہ کے ساتھ استعمال اور حکم وامثال کو اپنی شاعری میں ستاروں کی طرح ٹانکنا' وغیرہ کو اس کی شاعری کے امتیازات میں شمار کیا جاتا ہے۔

عربی شاعری پر متنبّی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں کہ ''عربی کے سب عربی قصیدہ گو شعراء مختلف اسالیب سے المتنبی سے اثر پذیر ہوئے ہیں'' اس کے دیوان کی

متعدد شرحیں لکھی گئیں جو تا ہنوز متداول ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں اس کے فکر وفن کا مطالعہ آج بھی کیا جا رہا ہے۔ اس کی شخصیت اور فن پر سب سے وقیع کتاب مع المتنبی ازمحمود شاکر کی ہے جو ان کے دسیوں سال کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ اس کی کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے نوبل پرائز کے بعد سب سے وقیع انعام ''فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا ہے۔

5.7.7 ابوالعلاء معری

عصر عباسی کے نابغۂ روزگار شعراء میں ابوالعلاء معری کا بھی شمار ہوتا ہے۔ اس کا نام احمد بن عبداللہ بن سلیمان ہے لیکن اپنی کنیت اور نسبت سے زیادہ مشہور ومعروف ہے۔ اس کی پیدائش 363ھ/ 973ء میں معرۃ النعمان کے مقام پر ہوئی تھی۔ مقام پیدائش سے نسبت کی وجہ سے ''معری'' کہلایا۔ چار برس کی عمر میں اسے چیچک ہوگئی جس کی وجہ سے اس کی بصارت ضائع ہوگئی۔ اس حادثہ نے اس کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے کہ وہ شدید احساس کمتری کا شکار ہوگیا اور اس نے اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ کرلیا لیکن اس حادثہ کا مثبت پہلو یہ نکلا کہ وہ زبردست حافظہ اور یادداشت کا مالک بن گیا جس کے نمایاں اثرات اس کی تصانیف میں نظر آتے ہیں۔

ابوالعلاء معری نے ابتدائی تعلیم وتربیت معرۃ النعمان میں اپنے والد سے حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے حلب چلا گیا۔ حلب کے اساتذہ میں محمد بن عبداللہ اور یحییٰ بن مِسْعر کا شمار ہوتا ہے۔ اول الذکر سے ادب اور لسانیات کا درس لیا تو مؤخر الذکر سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ مزید علم حاصل کرنے کے لیے اس نے انطاکیہ کا رخ کیا اور وہاں کے کتب خانوں سے اپنی علمی پیاس بجھانے کے بعد طرابلس روانہ ہوگیا اور وہاں سے انطاکیہ کے لیے دوبارہ رخت سفر باندھا اور عیسائی علماء سے استفادہ کرتے ہوئے دین مسیحی سے متعلق بہت ساری معلومات حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں اس کا یہ علمی سفر تمام ہوا اور وہ معرۃ النعمان واپس آ گیا۔ اس علمی سفر کے دوران ہی اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس وقت اس عمر صرف چودہ سال تھی۔

معرۃ النعمان میں اس کی گزر بسر ایک وقف سے حاصل ہونے والے وظیفہ سے ہوتی تھی۔ یہ وظیفہ تیس دینار سالانہ پر مشتمل تھا جس کا نصف حصہ وہ اپنے ملازم کو دے دیا کرتا تھا۔ معرۃ النعمان کے قیام کے دوران اس نے کسی کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ معرۃ النعمان میں اچھا خاصا عرصہ گذارنے کے بعد 398ھ/ 1008ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے بغداد روانہ ہوا۔ یہاں اس نے صرف عبدالسلام بصری سے تعلیم حاصل کی اور زیادہ تر وقت وہاں کی لائبریروں گذارا۔ اسی سفر کے دوران اس نے اپنی ہی منظوم کتاب ''سقط الزند'' کی شرح ''ضوء السقط'' کے نام سے لکھی تھی۔ بغداد میں ایک سال سات مہینے گذار کر رمضان 400ھ/ اپریل-مئی 1010ء میں واپس معرۃ النعمان آجاتا ہے۔ بغداد کا یہ سفر اس کی زندگی کا ایک اہم پڑاؤ ہے۔ اس سفر کی خوش گوار یادیں اس کے دل ودماغ پر ثبت ہوکر رہ گئیں تھیں جس کا اندازہ اس کے اس قصیدہ سے کیا جا سکتا ہے جو اس نے وہاں سے رخت سفر باندھتے ہوئے لکھا تھا۔ بغداد سے اس کی واپسی کے بنیادی اسباب میں سے اس کی ناداری وافلاس اور والدہ کی علالت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دوران سفر ہی اس کی والدہ کے انتقال ہوجاتا ہے۔ اس حادثہ نے اسے مزید گوشہ نشین کردیا تھا اور وہ اپنے آپ کو اس بھری دنیا میں اکیلا سمجھنے لگا تھا۔ بصارت سے محرومی اور تنہائی کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ''رھین المحبسین'' کہتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے کبھی مکمل تنہائی نصیب نہیں ہوئی کہ اس سے شعر گوئی اور ادب کا فن حاصل کرنے کے لیے عالم اسلام کے مختلف مقامات سے افراد آتے جاتے رہتے تھے۔ بغداد کا یہ سفر اس کی زندگی کا غالبا آخری سفر تھا کہ اس نے اپنی باقی زندگی معرۃ النعمان میں ہی گذاری تھی۔

ابوالعلاء معری نے عصر عباسی کا وہ عہد پایا تھا جو شدید کشمکش اور انتشار کا تھا۔ اس کی شان وشوکت میں گہن لگ چکا تھا۔ عباسی خلفاء صرف نام کے حکمراں رہ گئے تھے کہ عملا سارا اقتدار آل بویہ کے ہاتھ میں تھا جن کی مرضی کے بغیر خلفاء کوئی بھی فیصلہ نہیں لے سکتے تھے۔ اسی انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک قول کے مطابق 417-419ھ/ 1026-1028ء کے درمیان جب صالح بن مرداس نے معرۃ النعمان کا محاصرہ کیا تو اہل شہر نے اسے ہی صالح بن مرداس کے پاس سفارش کے لیے بھیجا تھا۔ صالح بن مرداس نے اس کی گفتگو سے متاثر ہوکر اپنا محاصرہ اٹھالیا اور شہر کی ذمہ داریاں بھی اسی کے حوالہ کردی تھی۔ اس روایت کی صحت اور معتبریت کے حوالہ سے کوئی بھی حتمی بات نہیں کی جا سکتی ہے۔

عمر کے آخری پڑاؤ میں بھی اس کی ذہنی صلاحیتوں میں کوئی کمی نہیں پائی جاتی ہے کہ اس دوران لکھے گئے رسائل، معانی اور ادب کے لحاظ سے ان رسائل سے بہتر ہیں جو اس نے پہلے لکھے تھے۔

ایک طویل عمر گذارنے کے بعد ابوالعلاء معری کی وفات 13 ربیع الاول 449ھ/ 20 مئی 1057ء میں ہوئی تھی۔ اس کی وفات پر ستر سے زائد شعراء نے مرثیے لکھے تھے۔

افکار وخیالات

ابوالعلاء معری نے عصر عباسی کا جو دور پایا تھا اس میں فلسفہ کا چلن عام ہو چکا تھا اور کوئی بھی عالم وشاعر ومصنف اس کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھا سکا تھا۔ابوالعلاء کی شاعری اور دیگر تصانیف میں فلسفیانہ افکار وخیالات کا ایک ہجوم نظر آتا ہے جن میں سے بعض ظاہری طور پر اسلامی عقائد سے متصادم نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت اسے زندیق اور ملحد قرار دیتی ہے تاہم اس تعلق سے کوئی بھی حتمی بات کہنا مشکل ہے کہیں وہ اپنے اشعار وتصانیف میں راسخ العقیدہ مسلمان نظر آتا ہے تو کہیں ملحد وزندیق وغیرہ۔

ابوالعلاء معری شدید قنوطیت کا شکار تھا جس کی وجہ سے وہ زندگی کو ایک ناپائیدار چیز سمجھتا ہے جو ہر جانب سے مصائب وآلام سے گھری ہوئی ہے۔اس کی معذوری نے اسے مایوسی اور ناامیدی کے سمندر میں دھکیل دیا تھا جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اسے نظر نہیں آتا تھا جس کی وجہ سے وہ مزید سے مزید قنوطیت پسند ہوتا چلا گیا۔

زندگی کے آخری حصہ میں اس نے انڈا، دودھ اور گوشت کھانا بند کر دیا تھا۔شادی بھی اس نے صرف اس لیے نہیں کی تھی وہ کسی کو پیدا کرنا ایک گناہ تصور کرتا تھا۔اسی طرح وہ تعدد ازواج کا بھی قائل نہیں تھا۔عورت کے بارے میں اس کی رائے اچھی نہیں تھی اور وہ اسے بدفطرت سمجھتا تھا۔

ان سلبی افکار وخیالات کے ساتھ ساتھ اس کے وہاں کچھ مثبت افکار بھی ملتے ہیں جیسے وہ ہر وقت اور ہر حال میں نیکی کرنے اور سچ بولنے پر زور دیتا ہے اور ان دونوں چیزوں کو دیگر فضائل کے مقابلہ میں سب سے زیادہ افضل اور بہتر سمجھتا تھا۔معاشرہ میں ظلم وجبر کے غلبہ کو برا قرار دیتا ہے۔

تصانیف

ابوالعلاء معری کا شمار عصر عباسی کے ان افراد میں کیا جاتا ہے جنھوں نے اپنا علمی ورثہ نظم ونثر دونوں میں چھوڑا تھا۔ابوالعلاء معری کو عہد عباسی کے شعراء میں اس لحاظ سے ممتاز ومنفرد قرار دیا جاسکتا ہے کہ وہ ایک باکمال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی تھا۔اس کی مجموعی تصانیف کی تعداد 73 بتائی جاتی ہے جن میں سے اکثر زمانہ کی دست وبرد کا شکار ہو چکی ہیں۔یہ کتابیں اس نے ابوالحسن علی بن عبداللہ اصفہانی کو املاء کرائی تھیں۔اس کی باقی ماندہ کتابوں میں سقط الزند ،اس کی شرح ضوء السقط ، الدرعیات اور اللزومیات یالزوم ما لا یلزم منظوم ہیں۔

سقط الزند اس کی جوانی کے کلام پر مشتمل ہے جس میں قصائد، مراثی اور دوسرے اصناف سخن پر مشتمل اشعار موجود ہیں۔اسی دیوان میں اس کا وہ مرثیہ بھی موجود ہے جو اس نے اپنے والد کی وفات پر چودہ سال کی عمر میں کہا تھا۔اسی طرح اس میں چند نامعلوم اشخاص کے قصاء دبھی پائے جاتے ہیں جن کے متعلق ناقدین ادب کا کہنا ہے کہ اس نے مشقیہ طور پر ان قصائد کو نظم کیا تھا۔

غالبا معری عہد عباسی کا اکلوتا شاعر ہے جس نے خود ہی اپنے دیوان کی شرح لکھی تھے۔معری نے سقط الزند کی شرح ضوء السقط کے نام سے لکھی تھی۔

الدرعیات کو معری نے ایک مستقل تصنیف قرار دیا ہے حالانکہ وہ سقط الزند کے آخر میں بھی مع شرح موجود ہے۔اس شعری مجموعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں معری نے اپنے ان تمام اشعار کو جمع کر دیا تھا جو اس نے ''درع'' (زرہ) کی تعریف وتوصیف میں کہے تھے۔

اللزومیات /لزوم ما لا یلزم کو معری کی اہم تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس دیوان کے ہر شعر میں صنعت لزوم مالا یلزم کا التزام کیا گیا ہے یعنی ہر بیت کے قافیہ میں دو حرف روی آئے ہیں۔اس دیوان پر شاعری سے زیادہ فلسفہ کی کسی کتاب کا شائبہ پایا جاتا ہے کہ اس میں شاعر نے فلسفیانہ موضوعات جیسے زمان ومکان ،مادہ وروح اور ذات باری وغیرہ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔

اس کی منثور کتابوں میں کتاب الفصول والغایات ،رسائل ابی العلاء (رسالة الغفران ،رسالة الملائكة،رسالة الشياطين، رسالة الإغريض وغیرہ)،ملقى السبيل في الوعظ والزهد ، شرح ديوان الحماسة،عبث الوليد (عصر عباسی کے مشہور شاعر بحتری کے دیوان کی شرح) وغیرہ شامل ہیں۔

شاعری

ابوالعلاء معری نے تقریبا تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔اس کے دیوان میں مدحیہ قصائد، مراثی اور دیگر اصناف سخن کے نمونے ملتے ہیں۔بقول مقالہ نگار اردو دائرۃ المعارف ''اس کا جوانی کا کلام بلحاظ موضوع تو سادہ ہے لیکن بلحاظ اسلوب پر تکلف۔بعد کے کلام میں نادر کلمات زیادہ ملتے ہیں اور اس اعتبار سے دیکھیے تو دور جاہلیت کے اشعار اور ان میں زیادہ فرق نہیں ہے.....مدحیہ قصائد میں متنبّی کا رنگ صاف جھلکتا ہے۔مرثیوں میں وہ اپنے دکھ اور مصائب کا حال بیان کرتا ہے لیکن چونکہ اسے یوم آخرت پر ایمان نہیں تھا یا اس کے بارے میں شکوک وشبہات تھے، اس لیے یہ دکھ اور درد اور بھی بڑھ جاتا ہے''۔اللزومیات /لزوم ما لا یلزم میں وہ ایک ''بے باک مفکر اور بلند اخلاق معلم'' کی صورت میں سامنے آتا ہے۔اس دیوان میں اس کی شاعری کا ایک خاص رنگ نظر آتا ہے کہ وہ اس میں ایک شاعر سے زیادہ ایک فلسفی معلوم ہوتا ہے۔اس دیوان

میں اس نے فلسفیانہ موضوعات کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔الدرعیات سے فن وصف نگاری میں اس کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس میں اس نے صرف زرہ (درع) کے وصف میں کہے جانے والے متعدد اشعار کو جمع کر دیا ہے۔

5.8 خلاصہ

عربی شاعری کے تمام ادوار میں عہد عباسی کی شاعری متعدد اور گوناگوں صفات، امتیازات اور خصوصیات کی وجہ سے منفرد وممتاز نظر آتی ہے۔عہد عباسی کو کئی ایک تہذیبوں اور ثقافتوں کا نقطۂ اتصال قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ایک خاص قسم کی تہذیب وثقافت کو فروغ حاصل ہوا تھا جس میں اسلامی تہذیب وتمدن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتی ہے۔عہد عباسی کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور علمی وادبی ماحول نے ایک ایسی فضا تیار کر دی تھی جو کسی اور اسلامی دور میں نظر نہیں آتی ہے۔اسی مخصوص فضا میں عربی شاعری اپنے نئے رنگ وروپ میں پروان چڑھتی ہے اور ایسے بیش بہا نمونے پیش کرتی ہے جس سے عربی شاعری کا دامن مزید وسیع ہو جاتا ہے اور اس کی قدر وقیمت میں گرانقدر اضافہ ہوتا ہے۔

عصر عباسی کی شاعری، عربی شاعری کے دیگر تمام ادوار سے اس لحاظ سے ممتاز قرار پاتی ہے کہ اس عہد میں قدماء کے طرز اسلوب وبیان سے صرف نظر کرتے ہوئے شعراء نے ایک نیا طرز واسلوب اختیار کیا تھا کہ وہ محبوبہ کی یاد آنسو بہاتے ہوئے نظر نہیں آتے ہیں بلکہ وہ اپنے قصائد کا آغاز اپنے اپنے ذوق کی مناسبت سے مختلف رنگ وڈھنگ سے کرتے ہیں۔قدیم اصناف سخن - جیسے مدح، مرثیہ اور ہجو وغیرہ - کے دائرۂ کار میں وسعت کے ساتھ ساتھ چند جدید موضوعات شاعری - غزل غلمان، زہدیات، طردیات، خمریات وغیرہ - پر منظر عام پر آتے ہیں گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عہد عباسی کے موضوعات شاعری میں مجموعی طور کافی نمایاں تبدیلیاں ہوئی تھیں۔تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں بھی قدیم اسلوب وانداز میں شاعری کرنے والے شعراء بھی موجود تھے جن کی شاعری پر جدید ماحول اور حالات اثرات یہ تو مرتب ہی نہیں ہوئے تھے یا برائے نام مرتب ہوئے تھے۔

عہد عباسی کی شاعری پر جب ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس عہد کی شاعری کو فروغ دینے میں شعراء کے ساتھ ساتھ سماج کے مختلف طبقات جیسے عباسی خلفاء، وزراء، امراء اور وعمائدین سلطنت، نثر نگاران اور علماء دین وغیرہ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا کہ ایک طرف جہاں عباسی خلفاء، وزراء، امراء اور وعمائدین سلطنت نے شعراء کی سرپرستی کی تھی تو دوسری طرف انھوں نے خود بھی دادِ سخن حاصل کی تھی اور شاعری کے عمدہ نمونے بطور یادگار چھوڑے تھے۔

عہد عباسی میں شاعری کے بہت زیادہ فروغ کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس عہد میں شاعری کسب معاش، عزت وشہرت اور مال ودولت حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ بن گئی تھی۔اسی طرح مملکت عباسیہ میں شاعری کے اہم مرکز بغداد کے علاوہ دیگر مراکز ومقامات بھی پائے تھے جہاں کے امراء اور حکمرانوں کے دربار میں شعروشاعری کی سرپرستی کی جاتی تھی نتیجتاً شعراء کو دیگر ادوار شاعری کے مقابلہ میں زیادہ بڑا اور وسیع میدان ملا اور انھوں نے اپنی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو اچھے انداز واسلوب میں پیش کیا۔

عہد عباسی کے شعراء کو تین بڑے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔پہلا طبقہ مخضرم شعراء کا ہے جنھوں نے عہد اموی کا اواخر اور عہد عباسی کا اولیں دور پایا تھا۔انھیں شعراء نے عہد عباسی کی شاعری میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔اس طبقہ کے اہم نمائندہ شاعر بشار بن برد اور ابونواس ہیں۔دوسرا طبقہ شعرائے مولدین کا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ تیسری صدی میں گذرا تھا۔انھوں نے اپنے پیش رو شعراء کے کاج کو آگے بڑھاتے ہوئے عربی شاعری کو نئے رنگ وآہنگ سے نوازا تھا۔اس طبقہ کے نمائندہ شعراء میں ابوتمام اور بحتری وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔تیسرا طبقہ شعرائے محدثین کا ہے جن کی زندگی کا بیشتر حصہ چوتھی صدی میں گذرا تھا۔انھوں نے بھی عربی شاعری کے فروغ میں کافی اہم کردار ادا کیا تھا۔اس طبقہ کے اہم شعراء میں متنبّی اور ابوالعلاء معری وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا شعراء کو موضوعاتی اور فنی لحاظ شعراء البداوة، الشعراء المجددون، الشعراء المفتنون ،شعراء الصنعة ،الشعراء المحافظون، الشعراء المبدعون اور شعراء المذاهب والوجدان والفكر کے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مؤخرالذکر طبقہ شعراء کی ایک بڑی اکائی پر مشتمل ہے جسے ان کے نظریات، خیالات وافکار کے لحاظ سے شعراء العباسية ،شعراء الشيعة ،شعراء العشق ،شعراء الزهد والحكمة والمواعظ ،شعراء علماء اور شعراء الطبع والزندقة میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

5.9 نمونے کے امتحانی سوالات

5.10

5.11

5.12

5.13

5.14

مطالعہ کے لیے معاون کتابیں

-تاريخ الأدب العربي (العصر العباسي الأول) شوقی ضیف

-تاريخ الأدب العربي (العصر العباسي الثاني) شوقی ضیف

-الجامع في تاريخ الأدب العربي حنافاخوری

-تاريخ الأدب العربي احمد حسن زیات

- الأدب في عصر العباسيين (الجزء الأول والثاني) محمد زعلول سلام

-عربی ادب کی تنقیدی تاریخ پروفیسر سید احتشام احمد ندوی

-اردو دائرۃ المعارف

☆☆☆